

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:

اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم۔ فل (اردو)

مقالہ نگار:

عبدالقدوس



فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مئی، ۲۰۲۱ء

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:

اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار:

عبدالقدوس

ایم۔ اے (اردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

یہ مقالہ

ایم۔ فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مئی، ۲۰۲۱ء

© عبدالقدوس، ۲۰۲۱ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:

اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

پیش کار: عبدالقدوس رجسٹریشن نمبر: 1728/M/U/S19

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر صوفیہ لودھی

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان

پروریکٹر اکیڈمکس

تاریخ

اقرارنامہ

میں، عبدالقدوس حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی کام ہے۔ اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ایم۔ فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

عبدالقدوس

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مئی، ۲۰۲۱ء

فہرست ابواب

صفحہ نمبر	عنوان
ii	مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم
iii	اقرارنامہ
iv	فہرست ابواب
vii	Abstract
viii	اظہار تشکر
i	باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث
i	الف۔ تمہید
i	i. موضوع کا تعارف
۲	ii. بیان مسئلہ
۳	iii. مقاصد تحقیق
۳	iv. تحقیقی سوالات
۴	v. نظری دائرہ کار
۵	vi. تحقیقی طریقہ کار
۶	vii. مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق
۶	viii. تحدید
۷	ix. پس منظر کی مطالعہ
۷	x. تحقیق کی اہمیت

۸	ب: ترجمہ نگاری: تعارف اور بنیادی مباحث
۱۲	ترجمے کی اقسام اور طریقے
۲۹	ج- تحلیلی فلسفہ: تعارف اور بنیادی مباحث
۲۹	تحلیلی فلسفہ (Analytic Philosophy)
۳۲	i- منطقی اثباتیت (Logical Positivism)
۳۳	ii- لسانیاتی تحلیل (Linguistic Analysis)
۳۶	د - وٹگنسٹائن: تعارف اور فکری ارتقا
۳۶	i- تعارف
۳۹	ii- وٹگنسٹائن کا فکری ارتقا اور تصانیف کا مختصر تعارف
۴۴	iii- "Philosophical Investigations" کا تعارف
۴۶	د- "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:
۴۶	منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تعارف
۴۶	i- "جدید مغربی فلسفہ" کا مختصر تعارف
۴۸	ii- "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" کا مختصر تعارف
۵۰	حوالہ جات
	باب دوم: "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث بحوالہ اردو
۵۵	تراجم و توضیحات
۵۵	الف- "جدید مغربی فلسفہ" میں "Philosophical Investigations" کے مضمون لسانی مباحث

۶۴	ب۔ "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں "Philosophical Investigations" کے مضمونہ لسانی مباحث
۶۸	حوالہ جات
۶۹	باب سوم: "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:
۶۹	منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ
۶۹	الف۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: "جدید مغربی فلسفہ" میں شامل اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ
۷۶	ب۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں شامل اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ
۸۳	حوالہ جات
۸۵	باب چہارم: "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: منتخب اردو تراجم میں زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ
۱۱۳	باب پنجم: مجموعی جائزہ
۱۱۳	الف۔ مجموعی جائزہ
۱۱۷	ب۔ تحقیقی نتائج
۱۲۷	ج۔ سفارشات
۱۲۹	کتابیات
۱۲۹	بنیادی مآخذ.....
۱۲۹	ثانوی مآخذ.....

Abstract

**Title: Linguistic Discussions of *Philosophical Investigations* :A
Descriptive and Analytical Study of Urdu Translations and Explications**

Wittgenstein, one of the most influential philosophers of the twentieth century, developed a new method of doing philosophy, as an activity to clear up confusion, caused by misunderstanding the working of language. His early and later work was of crucial importance in the development of twentieth century analytic philosophy. *Philosophical Investigations*, which was his most significant work, still remains the focus of intense interest and occupies an influential place in contemporary thought. He was the first person who provided the postmodern concept of language games, which nowadays not only deeply penetrates into literary theories but also in many other aspects of life as a postmodern argument. Because of its importance, two renowned Urdu authors and translators, Qazi Javed and Qazi Qaiser-ul-Islam, translated *Philosophical Investigations* in Urdu and this study critically analysed these Urdu translations, firstly, to find techniques, problems and quality of these translations, and secondly, to find the undiscussed aspects of linguistic discussions of *Philosophical Investigations*, in these translations. To find, analyse and evaluate these translations and undiscussed aspects of the linguistic discussions, this research has applied historical methods. Twentieth century analytic philosophy has been used as a theoretical framework for understanding the linguistic discussions of *Philosophical Investigations* while for the study and analysis of selected translations and their explications, Andrew Chesterman's "consilience" model in Translation Studies, has been used as a theoretical framework. For Urdu readers and researchers, this research provides a clear and effective understanding of *Philosophical Investigations*. It highlights those reasons, which are the basis for treating these selected Urdu writings as translation. It also provides a platform for clear and coherent understanding of analytic philosophy, its translation strategies and postmodern thought in contemporary Urdu scenarios.

اظہار تشکر

میں، اس تحقیقی مقالے کی نگران، پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم کا بے حد شکر گزار ہوں، جن کی شفقت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے تحقیق کے کئی مشکل مراحل احسن طریقے سے مکمل ہوئے۔ میں اپنے تمام مشفق اساتذہ، بالخصوص ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر محمود الحسن رانا، ڈاکٹر صائمہ ندیر، ڈاکٹر رخشندہ مراد اور ڈاکٹر صنوبر الطاف کا بھی شکر گزار ہوں جن کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی نے مجھے اس چیلنجنگ موضوع کو منتخب کرنے کا حوصلہ دیا۔ میں، اس تحقیق کے مختلف مراحل میں، رہنمائی کرنے کے لیے، نہایت مہربان استاد ڈاکٹر عابد سیال، صدر شعبہ اردو، کا بھی بے حد شکر گزار ہوں۔ پروفیسر نمل پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان کا بھی شکریہ جنہوں نے اس تحقیق کے لیے درست سمت میں میری رہنمائی کی۔ فلسفے کے استاد پروفیسر ابو بکر بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے اس تحقیق کے لیے ایک بہت اہم کتاب مہیا کی۔ میں، شعبہ ترجمہ و تفہیم کی جانب سے الیاس باہر اعوان صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے یونیورسٹی میں میرے مجوزہ موضوع کی حمایت کی۔ کالج اور یونیورسٹی کے ان دوستوں کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جنہوں نے دوران تحقیق کئی طرح کی مشکلات سے نمٹنے کے لیے اپنے قیمتی وقت اور مشوروں سے نوازا۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ہمراہ گوگل اور مائیکروسافٹ کے جدید سافٹ ویئر اور ایپلی کیشنز نے تحقیق کے مختلف مراحل میں جو سہولت اور تیز رفتاری پیدا کی اس کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ فیس بک، واٹس ایپ اور یوٹیوب کے ذریعے بہت سی اہم کتب اور قیمتی معلومات تک رسائی ممکن ہوئی۔ کووڈ ۱۹ کے لاک ڈاؤن سے جو اضافی وقت ہاتھ آیا وہ اس تحقیق کے لیے ایک نعمت ثابت ہوا۔ امید واثق ہے کہ یہ تحقیق آنے والے اردو محققین کے لیے ایک نئے تحقیقی میدان کے خط و خال ابھارے گی۔

عبدالقدوس

یکم مئی ۲۰۲۱ء

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید

i. موضوع کا تعارف

وٹگنسٹائن (Wittgenstein) بیسویں صدی کے مغربی فلسفے کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والا انتہائی اور یجنل فلسفی ہے۔ تحلیلی فلسفہ (Analytic Philosophy) جدید ترین معاصر فلسفہ ہے اور اس کے بانیوں میں اہم ترین نام وٹگنسٹائن کا ہے۔ جدید مغربی فلسفے کی تشکیل میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ منطقی اثباتیت (Logical Positivism) اور لسانیاتی تحلیل (Linguistic Analysis)، تحلیلی فلسفے کی وہ دو صورتیں ہیں جنہیں وٹگنسٹائن کے افکار نے تخلیقی تحریک فراہم کی اور ان کی ابتدائی تشکیل اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

"Philosophical Investigations" وٹگنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفیانہ افکار کی نمائندہ کتاب ہے جسے بیسویں صدی کے فلسفے کی اہم ترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب جدید مغربی فلسفے کی وہ شاہکار تصنیف ہے جس کے لسانی مباحث نے بیسویں صدی کے جدید علوم و فنون پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اس کے افکار آج بھی مغربی دنیا میں علمی اور فنی مباحث کا حصہ ہیں۔ "Philosophical Investigations" کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے لسانی مباحث اردو میں بھی منتقل ہوئے ہیں۔ اس کے لسانی مباحث کے اردو تراجم و توضیحات پر مشتمل دو اہم کتابوں میں، قاضی جاوید کی "جدید مغربی فلسفہ" اور قاضی قیصر الاسلام کی "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)"، شامل ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں

موجود، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے اردو تراجم و توضیحات کو، اس تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا۔

اس تحقیقی مقالے میں، وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے ان منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ کیا گیا، جس سے اردو کے قارئین ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر اثرات کی حامل کتاب کے لسانی مباحث کی مؤثر تفہیم حاصل کر سکیں گے۔ اس تحقیقی اور تجزیاتی مطالعے سے اردو میں علوم ترجمہ اور لسانیاتی تحلیل کے حوالے سے جو پیش رفت ہوئی ہے اس میں، ان کے کئی پہلوؤں کا نمایاں ہونا، ان پر تحقیق و تنقید اور فکر کے نئے دروا ہونا، ان کے فہم کا دائرہ وسیع ہونا اور ان کے حوالے سے نئے مباحث کے امکانات پیدا ہونا، شامل ہے۔

ii. بیانِ مسئلہ

اردو میں لسانی تشکیلات کے محرکات میں سے ایک، منطقی اثباتیت کی تحریک تھی۔ اصول تصدیق پذیری اس تحریک کی بنیاد بنا جسے وٹکنسٹائن کی دورِ اول کی فکر سے اخذ کیا گیا۔ اس کا دورِ ثانی کا فلسفہ مابعد جدیدیت کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ لسانی کھیل کے تصور کے ذریعے اس نے یہ واضح کیا کہ زبان کا کوئی جوہر نہیں ہے بلکہ زبان متنوع اور لامحدود لسانی کھیلوں پر مشتمل ہے جو دراصل زندگی کی لامحدود متنوع صورتیں ہیں۔ جب ہم کسی مطلق، حتمی یا معروضی حقیقت کی بات کرتے ہیں تو زبان ہمیں اس حقیقت تک نہیں پہنچا سکتی بلکہ یہ تو محض ہمارے الفاظ کی گریمر پر مشتمل ہوتی ہے۔ کسی مفہوم سے مراد جملے میں الفاظ کا ایک مخصوص استعمال ہی ہوا کرتا ہے۔ ہر شعبہ علم اپنے منفرد اصولوں کے ساتھ ایک منفرد لسانی کھیل ہے جو کسی دوسرے شعبہ علم پر فوقیت نہیں رکھتا۔ سچائی تک پہنچنے کے لیے انسان جو بھی حکمتِ عملی اختیار کرتا ہے اس کو لسانی کھیل کے ذریعے ہی لکھا، بولا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس تناظر میں وٹکنسٹائن کا لسانی کھیل کا تصور مابعد جدید مباحث میں آتا ہے۔

وٹکنسٹائن وہ پہلا شخص ہے جس نے مابعد جدید لسانی کھیل کا تصور تشکیل دیا ہے۔ (1) اردو میں مابعد جدید فکر کے حوالے سے جو ابہام اور پیچیدگی پائی جاتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے وٹکنسٹائن کی دور ثانی کی فکر بالخصوص لسانی کھیل کے تصور کی درست اور مکمل تفہیم ضروری ہے۔

شعر و ادب کی عمارت زبان کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ نظم و نثر میں جو کچھ بھی ہے اس کی بنیاد لفظ اور معنی ہی ہے۔ زبان کی ماہیت اور تفاعل کی درست تفہیم کے بغیر اس پر قائم کسی اور علم و فن کی درست تفہیم بھی ممکن نہیں۔ اس تحقیق کی بنیاد پر اردو علم و ادب سے متعلق لوگ، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کی روشنی میں، زبان کی ماہیت اور تفاعل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جس کے نتیجے میں لفظ و معنی کے تصور کو مستقل برتنے والے علوم و فنون جیسے حقیقی و مجازی معنی، استعارہ، علامت، ساختیات، رد تشکیل وغیرہ کے مباحث کی زیادہ بہتر تفہیم کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

iii. مقاصد تحقیق

۱۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجرباتی مطالعہ کرنا

۲۔ تحقیقی مطالعے کے ذریعے "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کی شناخت کرنا

iv. تحقیقی سوالات

۱۔ "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے؟

۲۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا معیار، مسائل اور مشکلات کیا ہیں؟

۳۔ "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلو کون سے ہیں؟

v. نظری دائرہ کار

ترجمہ ایک پیچیدہ سرگرمی ہے جو اس وقت ایک مختلف النوع انٹر ڈسپلن بن چکا ہے۔ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے رجحانات، طریقے، تصورات اور سوالات نمودار ہو رہے ہیں۔ علوم ترجمہ کے جدید ترین نظریات میں سے ایک Andrew Chesterman کا پیش کردہ consilience کا ہمہ گیر اور وسعت پذیر ماڈل ہے جو تمام علم کی وحدت کے تصور کو بنیاد بناتے ہوئے ترجمے کے عمل کو لسانیاتی یا ثقافتی دائروں میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کے لیے مثنیٰ، وقوفی، سماجیاتی اور ثقافتی دائروں پر مشتمل ایک نقشہ پیش کرتا ہے جہاں یہ دائرے الگ ہونے کے ساتھ باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر بھی ہیں۔ (2) سو اس ماڈل کے تحت ترجمے کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ایک وسیع تر تناظر میں، منتخب متون کے ترجمے کا تحقیقی و تجرباتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

اس تحقیق میں یہ بات پیش نظر رہی ہے کہ انسانی علوم میں فلسفے کی انفرادیت کا تعین اس کی مخصوص زبان اور اصطلاحات سے بھی ہوتا ہے اس لیے فلسفیانہ متن کے ترجمے میں فلسفیانہ اصطلاحات کا ترجمہ اور اصطلاح سازی بہت اہم ہوتی ہے۔ فلسفیانہ متن اپنے علمی اور تکنیکی دائرے کی وجہ سے واضح اور متعین معنی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف کے شخصی افکار اور ذاتی و انفرادی اسلوب کی وجہ سے موضوعیت کا حامل بھی ہوتا ہے۔

اس مقالے کے لیے منتخب اردو تراجم میں، "Philosophical Investigations" کے زیر بحث آنے والے پہلوؤں کا کھوج لگاتے ہوئے، یہ بات پیش نظر رہی ہے کہ تحلیلی فلسفہ بنیادی طور پر زبان کے مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن زبان کا فلسفیانہ مطالعہ لسانیاتی، لغاتی اور گریمر وغیرہ کے مطالعے سے بالکل مختلف ہے۔ لسانیاتی (linguistic) اور قواعدی (grammatical) مطالعے کا مقصد زبان کے بارے میں تجربی قضیات تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں فلسفی جب زبان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا مقصد فلسفیانہ مسائل کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ (3)

لسانیاتی تحلیل، فلسفے کی وہ ٹیکنیک ہے جس کی رو سے فلسفہ نہ تو کسی چیز کو ثابت کر سکتا ہے نہ جھٹلا سکتا ہے بلکہ اس کا کام زبان کی خامیوں سے پیدا ہونے والے مسائل کو ختم کرنا ہے۔ ونگنسٹائن اپنے دوسرے دور کے فلسفے میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ فلسفی کا کام تھیں کو درست کرنا نہیں بلکہ اس کا فہم حاصل کرنا ہے اور مختلف 'لسانی کھیلوں' کی وضاحت کے ذریعے وہ ان الجھنوں کو دور کرتا ہے جو زبان کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق فلسفہ تعلقاتی (conceptual) الجھنوں سے پیدا ہوتا ہے اور لسانی مغالطوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں زبان پر نظر رکھنی چاہیے۔

اس تحقیق میں انگریزی اور اردو زبان میں ترجمے پر تحقیق کے حوالے سے consilience کے ماڈل کے تناظر میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے اور جدید مغربی تحلیلی فلسفے (Analytic Philosophy) کے مباحث کے تناظر میں "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے تاکہ اس کتاب کے فلسفیانہ افکار کا جامع انداز میں احاطہ ہو سکے۔

vi. تحقیقی طریقہ کار

اس تحقیق کے لیے دستاویزی طریقہ بروئے کار لایا گیا ہے اور اس سلسلے میں سرکاری، جامعاتی، نجی اور آن لائن کتب خانوں اور ویب سائٹس پر دستیاب انگریزی اور اردو کتب، لغات اور مقالہ جات وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے، ترجمے کی جدید حکمت عملیوں اور نظریات کی روشنی میں، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ منتخب اردو تراجم میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ کرنے کے لیے ان کو سمجھنا بھی ضروری تھا جس کے لیے انگریزی اور اردو زبان میں تحلیلی فلسفے کے معتبر ناموں کی لکھی گئی تحاریر اور مکالمات سے استفادے کیا گیا ہے۔

ترجمے کے عمل میں بیک وقت کئی طریقے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں اور یہ عمل کئی طریقوں کو ملا کر استعمال کرنے سے مکمل ہوتا ہے۔ کسی متن کے ترجمے کے لیے طریقہ ہائے کار کا انتخاب بہت حد تک متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی متن کے بارے میں پہلے سے طے نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا ترجمہ کس طریقے سے ہو گا بلکہ مترجم ترجمہ کرتے وقت یہ طے کرتا ہے کہ متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد کے پیش نظر کس مقام پر کون سے طریقے کا انتخاب کیا جائے۔ اس مقالے میں، منتخب اردو تراجم کے تحقیقی مطالعے کے بعد ان میں، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کو، ماخذ انگریزی متن سے شناخت کر کے، اردو میں بیان کرنے کے لیے، طریقہ کار کا انتخاب، ترجمہ کاری کے اسی تناظر میں کیا گیا ہے۔

vii. مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث پر انگریزی زبان میں کافی تحقیقی کام ہو چکا ہے تاہم اردو زبان میں جامعاتی سطح پر "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ "کے موضوع پر تاحال کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔

viii. تحدید

یہ تحقیق، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعے تک محدود ہے۔ منتخب اردو تراجم و توضیحات میں، "Philosophical Investigations" کے وہ تراجم و توضیحات شامل ہیں جو قاضی جاوید کی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" اور قاضی قیصر الاسلام کی کتاب "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں موجود ہیں۔ لسانی مباحث کے علاوہ "Philosophical Investigations" کے دیگر فلسفیانہ مباحث کا تحقیقی مطالعہ، مجوزہ تحقیق میں شامل نہیں ہے، الا یہ کہ ایسا کرنا اس کتاب میں مذکور لسانی مباحث کے تحقیقی مطالعے کے لیے ضروری ہو۔ مزید یہ کہ وٹکنسٹائن کی دیگر کتابوں کے مباحث اور ان کے اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ، اور "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے علاوہ اردو اور انگریزی زبان میں شامل

دیگر لسانی مباحث کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، اس تحقیق میں شامل نہیں ہے، الا یہ کہ ایسا کرنا اس کتاب میں مذکور لسانی مباحث اور ان کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعے کے لیے ضروری ہو۔

ix. پس منظری مطالعہ

وٹگنسٹائن کی دیگر کتابیں اور لیکچر اس کی فکر کے ارتقائی مراحل اور اس کے لسانی افکار کے پس منظر کو سمجھنے کے حوالے سے اہم ہیں۔ اس کے علاوہ وٹگنسٹائن کے لسانی افکار کے حوالے سے انگریزی اور اردو میں لکھی گئی اہم تحقیقی و تنقیدی کتب، مقالہ جات اور علوم ترجمہ سے متعلق کتب اور مقالہ جات، مجوزہ تحقیق کے پس منظری مطالعے کے ذیل میں آتے ہیں۔ Ray Monk کی تصنیف: "Ludwig Wittgenstein: The Duty of Genius"، وٹگنسٹائن کی سوانح عمری ہے جو اس کے حالات زندگی، شخصیت، افکار، فلسفے اور عہد کو سمجھنے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ Ray Monk کی کتاب "Wittgenstein" اور William Child کی کتاب "Wittgenstein"، وٹگنسٹائن کے فلسفے اور اس کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہیں۔ ترجمے کے طریقوں، نظریات اور علوم ترجمہ میں ہونے والی پیش رفت کے حوالے سے سوزن بیسنٹ کی کتاب "Translation Studies" اور Jeremy Munday کی کتاب "Introducing Translation Studies" مجوزہ موضوع تحقیق کے پس منظری مطالعے کے حوالے سے اہم کتب ہیں۔

ناصر بغدادی کا مضمون "وٹگنسٹائن کا لسانی نظام" اس حوالے سے اہم ہے کہ یہ واحد اردو مضمون ہے جس میں وٹگنسٹائن کی لسانی افکار کا مبسوط تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

x. تحقیق کی اہمیت

وٹگنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کا شمار جدید مغربی فلسفے کی اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کے افکار نے علوم و فنون کے مختلف شعبوں پر گہرے اثرات مرتب کیے اور نئے مباحث کو جنم دیا۔ اس کتاب کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعے سے اردو میں لسانیاتی تحلیل، لسانیات، ادبی تھیوری، سماجی تھیوری، تحقیق اور تنقید کے میدانوں میں کئی نئے اور صحت مند مباحث کے درواہوں پر کئی پرانے مباحث کی ماہیت میں اساسی تبدیلی کے امکانات بہت روشن

ہیں۔ اس تحقیق کی بدولت اردو میں علوم ترجمہ اور اصطلاح سازی کے ضمن میں بھی نئے مباحث کے آغاز کے امکانات مضبوط ہیں۔

مابعد جدید مفکرین سماج میں زبان کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس کا مطالعہ میٹالینگویج (ایسی زبان، جو زبان کا بطور ایک معروض، مطالعہ کرتی ہے) کے طور پر کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ زبان اسی طرح وجود میں آئی جس طرح سماج۔ ہر شے زبان اور اس کے تفاعل کے تابع ہے۔ پوسٹ ماڈرن مفکرین کا ماننا ہے کہ زبان خود اپنی زندگی کی حامل ہوتی ہے اور حقیقی زندگی میں استعمال کے طریقوں سے، معانی حاصل کرتی ہے۔ مابعد جدید عہد میں کھیل کے تصور نے اہمیت حاصل کر لی ہے اور یہ لوگوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور بہتر زندگی گزارنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ لڈوک وٹکنسٹائن نے "لسانی کھیل" کی اصطلاح اختراع کی۔ اس کے بقول یہ وہ بنیاد ہے جس پر لوگوں کے افعال کا تعین ہوتا ہے۔ وٹکنسٹائن کے مشاہدات کی بنیاد پر ٹیک دریدا، ژاں فرانسوا لیوتار اور بہت سے مابعد جدید مفکرین نے اس اصطلاح کو ترقی دی۔ لسانی کھیل اس وقت، ادبی تھیوری اور زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں گہرائی تک سرایت کر چکا ہے۔ (4)

مابعد جدید عہد میں لسانی کھیل کے تصور کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر وٹکنسٹائن کے اردو تراجم کا تحقیقی و تجرباتی مطالعہ بے حد اہم ہو چکا ہے۔

ب: ترجمہ نگاری: تعارف اور بنیادی مباحث

اردو زبان میں لفظ "ترجمہ"، ترجمہ کرنے کے عمل (ترجمہ کاری) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی ترجمہ شدہ متن کے لیے بھی؛ ایک شعبہ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک مظہر کے لیے بھی۔

ترجمہ کرنے کا عمل دو مختلف زبانوں کے درمیان ہوتا جس میں ایک زبان کے متن کو دوسری زبان کے متن میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ جس زبان اور متن سے ترجمہ کیا جاتا ہے اسے بالترتیب "ماخذ زبان" اور "ماخذ متن" کہا جاتا ہے۔ جس زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے اسے "ہدفی زبان"، اور ترجمہ شدہ متن کو "ہدفی متن" کہا جاتا ہے۔

مختلف نظریہ سازوں نے ترجمہ کی تعریف مختلف انداز سے کی ہے۔ مختلف تعریفوں کو سامنے رکھا جائے تو ترجمے کے تصور کی ایک عمومی تصویر سامنے آتی ہے۔ ترجمے کی کچھ تعریفیں درج ذیل ہیں:

ترجمہ قرأت کے عمل سے قریبی رشتہ رکھتا ہے۔ ترجمہ متن کے پیدا کنندگان اور وصول کنندگان کے مابین معنی کے لین دین کا عمل ہے۔

عمومی ترجمہ، زبانی یا تحریری پیغامات کو تحریر سے تقریر یا ایک سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا طریقہ ہے۔ عام طور پر ترجمہ، اصل ماخذ متن کی حرکیات کو برقرار رکھتے ہوئے، وصول کنندہ کی زبان کی عمومی شکل کو استعمال میں لا کر، جہاں تک ممکن ہو سکے، اسی معنی کا ابلاغ کرتا ہے جو ماخذ زبان کا بولنے والا سمجھتا ہے۔ مترجم کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ایک ایسا ہدفی زبان کا متن تیار کیا جائے جس کا مفہوم ماخذ زبان جیسا ہی ہو لیکن اسے وصول کنندہ کی زبان کی فطری شکل میں بیان کیا جائے۔

ترجمہ، ماخذ زبان کے پیغام کے قریب ترین فطری ہمسر کو، ہدفی زبان میں دوبارہ تشکیل دینا ہے؛ ایک بار معانی کے حوالے سے اور دوسری بار اسلوب کے حوالے سے۔

ترجمہ ایک زبان کے متنی مواد کو، دوسری زبان میں، اس کے ہم پلہ متنی مواد سے تبدیل کرنا ہے۔ ترجمہ ایک زبان کے متن کو، دوسری زبان میں، اس کے ہم پلہ متن سے تبدیل کرنا ہے۔

ترجمہ ایک ایسا ہنر ہے جو ایک زبان میں ایک تحریری پیغام یا بیان کو، دوسری زبان میں ویسے ہی پیغام یا بیان سے تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ترجمہ ایک سائنس، ایک مہارت، ایک فن اور ذوق کا ایک معاملہ ہے۔ ایک سائنس کے طور پر، ترجمے میں حقائق کا علم اور تجزیہ، اور وہ زبان شامل ہے جو انہیں بیان کرتی ہے؛ ایک مہارت کے طور پر، ترجمہ موزوں زبان اور قابل قبول استعمال پر مشتمل ہے؛ ایک فن کے طور پر، ترجمہ اچھی تحریر کو بری تحریر سے ممتاز کرتا ہے اور اس میں اختراعی، وجدانی اور القائی سطحوں کا عمل دخل ہوتا ہے؛ اور آخر میں، ترجمے کو ایک ذوقی معاملے کی حیثیت سے دیکھنا اس حقیقت پر مشتمل ہے کہ مترجم اپنی ترجیحات کو اختیار کرتا ہے، جس سے ایک مترجم کا ترجمہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

ترجمہ ماخذ متن کو سمجھنے اور رجسٹر کو استعمال کرتے ہوئے اسے ہدفی زبان میں تبدیل کرنے کی مہارت ہے۔ اس طرح ایک مترجم دو زبانوں اور ثقافتوں کے مابین ایک ثالث ہے جو ماخذ زبان کو ہدفی زبان میں بھیج سکتا ہے۔ (5)

ترجمہ ایک پیچیدہ اور ہمہ جہت سرگرمی ہے جس میں ایک زبان کے متن کی دوسرے زبان میں منتقلی، لسانی اور ثقافتی سطح پر ہوتی ہے جس میں مترجم ثالث کا کردار ادا کرتا ہے۔ زبان محض حقیقت کی آئینہ دار ہی نہیں ہوتی بلکہ معنی کی تشکیل میں بھی اس کا عمل دخل ہوتا ہے اور معنی کی تشکیل کے اس عمل میں مترجم براہ راست ملوث ہوتا ہے۔

ترجمہ محض بولے یا لکھے گئے لفظ نہیں ہیں بلکہ پیچیدہ اعمال کے نتیجے میں تشکیل پانے والی بین اللسانیاتی اور بین الثقافتی پروڈکٹ ہے جس کی تشکیل میں انسانی اور ادارہ جاتی ایجنٹوں کا عمل دخل ہے جو مخصوص سماجی، ثقافتی، جغرافیائی اور تاریخی حالات میں کام کرتے ہیں۔ ہر ایجنٹ کا اپنا ایجنڈا، مقاصد اور موضوعیت ہوتی ہے۔ (6)

سوزن بیسنٹ کے مطابق اس وقت کرۂ ارض کے گرد انسانوں کی نقل و حرکت کو ترجمے کے عمل کے عکاس کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ ترجمہ محض ایک زبان سے دوسری زبان میں متون کا منتقل ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اب اسے بجا طور پر متون اور ثقافتوں کے مابین گفت و شنید کے عمل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ہر قسم کا لین دین مترجم کی ذات کی وساطت سے ہوتا ہے۔ (7)

آج کی دنیا میں جغرافیائی، سیاسی، لسانی اور ثقافتی سرحدوں کو عبور کرنا جتنا آسان ہے اتنا تاریخ میں کبھی بھی نہ تھا۔ لوگوں کی ان سرحدوں کے آر پار حرکت مسلسل بڑھتی جا رہی ہے جس سے ترجمے کی اہمیت اور طلب میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مباحث کا دائرہ بھی مسلسل وسیع ہو رہا ہے۔

نو آبادیاتی دور تک ترجمے کو برتر اصل متن کی کمتر نقل کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا تاہم آج کی نئی مابعد نو آبادیاتی فکر میں اصل متن اور اس کے ترجمے کے درمیان رشتے کو نئے زاویوں سے دیکھا گیا ہے اور کئی علمائے ترجمہ نے ترجمے کے کردار اور اہمیت پر دوبارہ غور کرنے اور نئے سرے سے اس کی تعریف کا تعین

کرنے کا تقاضا کیا ہے۔ اب اصل متن اور اس کا ترجمہ، دونوں کو مساوی حیثیت کے حامل کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور مصنف اور مترجم دونوں کو تخلیق کار کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس پیش رفت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اصل متن سے وفادار رہنے کی ضرورت والی بحث ختم ہوتی جا رہی ہے۔ (8)

انسانوں کے مابین ابلاغ کے حوالے سے تحریری اور زبانی ترجمے کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ تجارت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ترجمے کی اہمیت بھی زیادہ ہوتی گئی۔ اس وقت ترجمہ اور اس سے متعلق ٹیکنالوجی ایک بڑی انڈسٹری بن چکی ہے تاہم ایک باقاعدہ مضمون کے طور پر اس کی تدریس کا آغاز بیسویں صدی کے دوسرے حصے میں ہوا۔ انگریزی میں اس مضمون کے لیے 'Translation Studies' اور اردو میں 'علوم ترجمہ' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

علوم ترجمہ (Translation Studies) اکیڈمک ریسرچ کا وہ میدان ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ جیمز ایس ہومز نے علوم ترجمہ کے شعبے کے لیے ایک نام اور خاکہ تجویز کیا۔ ابتدا میں اس مضمون پر تحقیق کا خاکہ نظری، بیانیہ اور اطلاقی علوم ترجمہ کی آپس میں تعلق رکھنے والی شاخوں نے بنایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس مضمون کی بین العلومیت اور تخصیص زیادہ واضح ہونے لگی اور نہ صرف علم کے دوسرے شعبوں سے نظریات اور ماڈل اس شعبے میں درآمد کیے گئے بلکہ اس کے اندر سے بھی نکالے گئے۔ (9)

۱۹۷۰ء کی دہائی میں ترجمے کی تاریخ پر تحقیق کے حوالے سے بڑی پیشرفت ہوئی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ترجمے کے عمل اور نظریات میں دلچسپی مسلسل بڑھتی رہی اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ترجمے نے اپنی ذاتی حیثیت کو منوایا اور ایک پختہ اور سنجیدہ شعبہ علم کی حیثیت سے عالمی سطح پر پھیلا۔ جسے پہلے حاشیائی سرگرمی سمجھا جاتا تھا اسے اب انسانوں کے مابین تبادلے کے بنیادی عمل کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ ہماری دنیا کئی حوالوں اور پہلوؤں سے مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے اور یہ تقسیم بڑھتی ہی جا رہی ہے، جسے سمجھنے کے لیے ترجمہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ پچھلی دہائیوں میں بہت سی زبانوں میں ترجمے کے حوالے سے کتب، رسائل اور کانفرنسوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

علوم ترجمہ سے متعلق مواد تک آن لائن رسائی آسان اور زیادہ ہوتی جا رہی ہے اور اشاعتوں کی تعداد بڑھنے سے اس کے بارے میں عمومی اور تجزیاتی وسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ آن لائن مشینی ترجمے کا معیار اور استعمال مسلسل بڑھ رہا ہے اور ممکن ہے کہ مستقبل میں ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت اتنی پیچیدہ ہو جائے کہ مشینی ترجمہ انسانی مترجم جیسا مرتبہ پالے۔ اس وقت علوم ترجمہ بین العلومی تحقیق کا ایک نہایت متحرک اور فعال میدان بن چکا ہے۔

ترجمے کی اقسام اور طریقے

مرزا حامد بیگ کے مطابق ترجمے کی حسب ذیل اقسام بنیادی حیثیت کی حامل ہیں: ۱- علمی ترجمہ ۲- ادبی ترجمہ ۳- صحافتی ترجمہ

انہوں نے ترجمے کی تین حسب ذیل راہیں بتائی ہیں: ۱- لفظی ترجمہ ۲- آزاد ترجمہ ۳- معتدل ترجمہ
ان کے بقول معتدل ترجمے کو تخلیقی ترجمہ بھی کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس کی تمام شرائط پوری ہو جانے پر یہ صرف نقل یا تقلید نہیں رہ جاتا بلکہ ایک فنی حسن کا حامل ہو جاتا ہے۔ (10)

فاخرہ نورین کے مطابق اصل متن کی نوعیت کے لحاظ سے ترجمے کی تین اقسام ہیں: ۱- علمی ترجمہ ۲- ادبی ترجمہ ۳- صحافتی ترجمہ (11)

پروفیسر ظہور الدین کے مطابق ہم دنیائے ادب میں اب تک ہونے والے تمام کام کو مجموعی اعتبار سے دو بڑے زمروں میں رکھ سکتے ہیں: ۱- موضوعاتی ۲- ہیئتاتی یا فنی

ان کے مطابق ترجمے کی جن اقسام کو موضوعاتی زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے وہ حسب ذیل ہیں: ۱- علمی ترجمہ ۲- ادبی ترجمہ ۳- صحافتی ترجمہ

اسی طرح حسب ذیل اقسام کو ہیئتاتی زمرے میں رکھا جاسکتا ہے: ۱- لفظی ترجمہ ۲- آزاد ترجمہ ۳- تخلیقی ترجمہ (منظوم یا منثور) (12)

علمی ترجمے کے تحت تمام سائنسی علوم و فنون کا ترجمہ آتا ہے۔ یہ عموماً لفظی ترجمہ ہوتا ہے جس میں معلومات و افکار کی مؤثر ترسیل بنیادی مقصد ہوتا ہے۔ ان تراجم میں اہم مرحلہ علمی اصطلاحات کے مترادفات تلاش کرنا ہے۔ علمی تراجم کی مزید تقسیم قدرتی علوم، سماجی علوم اور انسانی علوم کے تراجم میں کی جاتی ہے اور ان کے تقاضے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔

ادبی ترجمہ ترجمے کی سب سے مشکل قسم ہے کیونکہ اس میں ادبی متن کے جمالیاتی تاثر، آہنگ، کیفیات اور معنوی پہلو داری کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

صحافتی ترجمہ اخبارات اور میڈیا کی ضرورتوں کے تحت کیا جاتا ہے جس کا بنیادی مقصد مفہوم کا ابلاغ و ترسیل ہے۔ اس کے لیے مترجم کو اپنی مرضی کے الفاظ کے انتخاب کی مکمل آزادی ہے۔ ایسے ترجمے میں مترجم کو ماخذ زبان کے الفاظ اور لسانی خصوصیات سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ وہ الفاظ کے جامے میں پوشیدہ معنی کو ہدفی زبان میں منتقل کرنے پر ساری توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اسے آزاد ترجمہ یا کھلا ترجمہ بھی کہا جاتا ہے جس میں کسی متن کے مجموعی مفہوم کو مترجم ہدفی زبان میں اپنی سہولت کے مطابق سیدھے سادے انداز میں پیش کرتا ہے۔

فاخرہ نورین کے بقول مشینی ترجمہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ترجمے کی قسم یا طریقے کے زمروں میں نہیں آتا بلکہ مترجم کی ایک قسم ہے۔ (13)

معلوم انسانی تاریخ میں ترجمے کے بارے میں ملنے والی تحریریں بہت پیچھے تک جاتی ہیں۔ اہم مذہبی اور ثقافتی متون اور تصورات کے ابتدائی پھیلاؤ میں ترجمے کے عمل نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ سسرو اور ہورس نے پہلی صدی اور سینٹ جیروم نے چوتھی صدی میں ترجمہ کے مختلف طریقوں پر بات کی ہے۔ ترجمے کا عمل اگرچہ بہت قدیم ہے تاہم بیسویں صدی کے دوسرے حصے میں 'علوم ترجمہ' ایک باقاعدہ شعبہ علم اور رسمی تحقیق و تدریس کے میدان کے طور پر سامنے آیا۔ اس سے پہلے تک ترجمہ زیادہ تر زبان سیکھنے کے عمل میں ایک وسیلے کے طور پر استعمال ہوتا تھا جسے گریمر ٹرانسلیشن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس طریقہ تدریس

میں ترجمہ کا استعمال محض ایک وسیلے کے طور پر ہوتا تھا اس لیے تحقیق و تدریس سے منسلک لوگ اسے ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ (14)

جان ڈرائیڈن نے ترجمہ کے عمل کو اختصار سے بیان کیا (۱۶۸۰ء) تاہم اس کے بیان کا آنے والے وقت میں ترجمے کے نظریے اور عمل پر گہرا اثر ہوا۔ اس نے ہر قسم کے ترجمے کے لیے تین زمروں کا تعین کیا:

۱-Metaphrase: یہ لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمہ ہے جو لفظی ترجمے سے مطابقت رکھتا ہے۔

۲-Paraphrase: اس ترجمے میں مترجم مصنف کو ہمیشہ ذہن میں تو رکھتا ہے یعنی اس کے معنی کو ضرور مد نظر رکھتا ہے لیکن اس کے الفاظ کی اتنی شدت سے پیروی نہیں کرتا۔ جملے کی لفظیات اور ساخت کو مد نظر نہیں رکھا جاتا۔ یہ کم و بیش وفادار ترجمے یا معنی بہ معنی ترجمے سے مطابقت رکھتا ہے۔

۳-Imitation: اس میں لفظ اور معنی دونوں کو مد نظر نہیں رکھا جاتا۔ یہ Cowley کے زیادہ آزاد ترجمے سے مطابقت رکھتا ہے اور کم و بیش وہی ہے جسے آج کل کی مطابقت پذیری (Adaptation) کہا جاسکتا ہے۔ (15)

۱۹۵۹ء میں رومن جیکبسن نے ترجمے کی تین اقسام بین اللسانی (interlingual)، بیرون اللسانی (intralingual) اور بین علامتی (intersemiotic) بیان کی ہیں۔ اس نے اپنے نظریے کے لیے مشہور ماہر لسانیات Saussure کے تجویز کردہ لسانی نظریے کو بنیاد بنایا اور اس کی روشنی میں بین اللسانی ترجمے میں تحریری علامات کے دو مختلف نظاموں کے مابین لسانیاتی معنی اور مساوات (equivalence) کے تصور کا تجزیہ کیا۔

وینے (Vinay) اور ڈار بلنیٹ (Darbelnet) نے ترجمے کی دو حکمت عملیاں، 'راست ترجمہ' اور 'Oblique' ترجمہ بیان کیں۔ یہ دو حکمت عملیاں سات طریقوں پر مشتمل ہیں۔ راست ترجمے کے تین طریقے 'مستعار لینا'، 'Calque' اور 'لغوی ترجمہ' ہیں۔ Oblique ترجمے کی حکمت عملی میں 'ٹرانسپوزیشن'، 'موڈیولیشن'، 'مساویت' (Equivalence) اور 'مطابقت پذیری' (Adaptation) کے طریقے شامل ہیں۔ (16)

جمیل جالبی اپنے مضمون "ترجمے کے مسائل" میں لکھتے ہیں کہ انگریزی اپنے مزاج اور تہذیب کے حوالے سے اردو سے مختلف ہے اس لیے انگریزی سے اردو ترجمہ تین طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ صرف لفظی ترجمہ کیا جائے جسے ترجمہ کہنے کے بجائے مکھی پر مکھی مارنا کہا جاسکتا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ متن کے مفہوم کو اخذ کر کے اپنی زبان کے مقبول اور روایتی انداز میں آزادی کے ساتھ بیان کیا جائے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ اس طرح سے کیا جائے کہ مصنف کے لہجے کی کھنک کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کا مزاج بھی اس میں برقرار رہے اور ترجمہ اصل کے مطابق ہو۔ ترجمے کا یہ طریقہ سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کے ساتھ ساتھ بیان کا ایک نیا سانچا بھی ترجمے کے ذریعے ہدفی زبان میں آجاتا ہے اور ایک نئی شکل اختیار کرنے کے بعد جملوں کی ساخت، زبان میں موجود اظہار کے سانچوں کو زیادہ وسیع کر دیتی ہے۔ (17)

'معتدل ترجمہ' کی اصطلاح اردو میں ایسے ترجمے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو نہ لفظی ترجمہ ہو اور نہ آزاد ترجمہ بلکہ ان دونوں کے بین بین ایک معتدل صورت اختیار کرنے کا نتیجہ ہو۔ ترجمہ کے عمل میں بیک وقت کئی طریقے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں اور یہ عمل کئی طریقوں کو ملا کر استعمال کرنے سے مکمل ہوتا ہے۔ کسی متن کے ترجمے کے لیے طریقہ ہائے کار کا انتخاب اس بات پر بہت حد تک منحصر ہوتا ہے کہ متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد کیا ہیں۔ کسی متن کے بارے میں پہلے سے طے نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا ترجمہ کس طریقے سے ہو گا بلکہ مترجم ترجمہ کرتے وقت یہ طے کرتا ہے کہ متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد کے پیش نظر کس مقام پر کون سے طریقے کا انتخاب کیا جائے۔ مترجم کو ہدفی زبان کے قارئین اور ثقافت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ترجمہ ایک متحرک عمل ہے جس میں محض طریقوں کا اطلاق کر دینا کافی نہیں بلکہ بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور ثقافتی منظر نامے میں ترجمے کی تشکیل نو کرنے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

عام طور پر اچھے ترجمے سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ مضمون واضح ہو اور زبان بامحاورہ اور سلیس ہوتا ہے ان خصوصیات کو ہر ترجمے کی عمدگی کا معیار نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ہر ترجمے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔ ایک سنجیدہ اور پیچیدہ متن کا ترجمہ، جس کی زبان کا مزاج اور جملوں کی ساخت ہدفی زبان سے مختلف ہو، رواں اور

سلیس ہو تو اصل تحریر کا مجموعی تاثر ترجمے میں زائل ہو جائے گا۔ ترجمے کے مزاج اور اہمیت کے بارے میں جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ترجمہ کا مزاج اصل تحریر کے مزاج سے الگ ہوتا ہے۔ ترجمہ کے ذریعے زبان ایک نئے مزاج سے روشناس ہو کر پھیلتی اور بڑھتی ہے۔ نئے لہجے اور جملوں کی نئی ساخت کو اپنے مزاج میں جذب کر کے اظہار کی نئی قوتوں سے متعارف ہوتی ہے۔ ترجمہ کی اہمیت یہی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ذریعے نئے خیالات زبان میں داخل ہوتے ہیں جس سے ذہنی جذب و قبول کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دوسرے زبان کی قوت اظہار میں نئے امکانات پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ زبان بھی سنجیدہ خیالات کے بیانات پر قدرت حاصل کر کے احساس و خیال کی نئی نئی تصویریں ابھارنے کی اہل ہو جاتی ہے۔" (18)

ترجمے میں مساوات (equivalence) کا حصول ایک اہم مسئلہ ہے۔ Popovič نے ترجمے میں مساوات کی چار اقسام؛ لسانیاتی، تمثیلی، سٹائی لسٹک اور متنی، کا تعین کیا ہے۔ یو جین نیڈا نے ترجمے میں رسمی (formal) مساوات اور متحرک (dynamic) مساوات کا تصور دیا۔ رسمی مساوات کے لیے مواد اور ہیئت دونوں میں پیغام پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری ماخذ زبان کے سیاق و سباق کو جتنا زیادہ ممکن ہو سمجھ سکے۔ متحرک مساوات میں مساوی اثر کے اصول کو سامنے رکھا جاتا ہے یعنی ترجمے میں، پیغام کا، وصول کنندہ پر، وہی اثر ہونا چاہیے، جو ماخذ زبان کے پیغام کا، اس کے اصل وصول کنندہ پر ہوتا ہے۔ (19)

ترجمے میں مساوات کے حصول کو یکسانیت (sameness) کی تلاش کے حوالے سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ جب ایک ہی ماخذ متن کے دو ترجمے بھی یکساں نہیں ہوتے تو ماخذ متن اور ہدفی متن کیسے یکساں ہو سکتے ہیں۔

ماضی میں ترجمے کو اصل کے مقابلے میں کمتر حیثیت دی گئی اور اس کے انفرادی وجود کو تسلیم کرنے کے بجائے محض اصل کے زائیدہ کے طور پر دیکھا گیا جس کی وجہ سے اس کی درست قدر کے تعین میں بھی

مسائل پیدا ہوئے۔ جب ناقدین نے پہلے سے ہی یہ مفروضہ قائم کیا ہوا تھا کہ ترجمے کی حیثیت اصل سے کمتر ہوتی ہے اور اس کی اپنی کوئی انفرادی حیثیت نہیں تو ایسے میں اس کی درست قدر کا تعین کیسے ہو سکتا تھا۔ علوم ترجمہ کے ایک الگ شعبہ علم کی حیثیت سے مستحکم ہونے کے بعد اس کے مباحث کے معیار میں بہتری آنی چاہیے اور اس کو ماضی کے کمتری کے تعصبات سے باہر نکلنا چاہیے۔ دوسرے علوم و فنون سے معیارات درآمد کرنے کے بجائے ترجمے کی قدر کے تعین کے لیے کسی معیار کی تشکیل اور تعین اس شعبے کے اندر سے ہونا چاہیے۔

ترجمے کے نظریے کا مقصد ایک کامل ترجمے کے لیے قواعد و ضوابط مہیا کرنا نہیں ہے بلکہ ان اعمال کو سمجھنا ہے جو ترجمہ کرنے کے عمل کے دوران وقوع پذیر ہوتے ہیں تاہم ترجمے کا نظریہ اور عمل آپس میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ انہیں الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ترجمے کے عمل کو سمجھنا ترجمہ کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ ترجمے کی پروڈکٹ ایک پیچیدہ نظام کا نتیجہ ہے جس میں معنیاتی، نحوی اور پریگمٹک سطحوں پر ڈی کوڈنگ اور اینکوڈنگ کی جاتی ہے۔

Octavio Paz نے ترجمہ اور علوم ترجمہ کے متعلق لکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ تمام متون جو، ادبی نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے دوسرے نظاموں سے ہم رشتہ و منزل (descended) ہیں، ترجموں کے ترجمے کے ترجمے ہیں۔ ہر متن بیک وقت منفرد ہونے کے ساتھ دوسرے متن کا ترجمہ بھی ہے۔ کوئی بھی متن مکمل طور پر اور یجنل نہیں ہے کیونکہ زبان اپنے جوہر کے حوالے سے پہلے ہی ایک ترجمہ ہے: ابتدائی طور پر غیر لفظی (nonverbal) دنیا کا ترجمہ ہے اور ثانوی طور پر اس لیے ترجمہ ہے کیونکہ ہر علامت اور جملہ ایک اور علامت اور ایک اور جملہ کا ترجمہ ہے۔ تاہم اس دلیل کی صحت کو متاثر کیے بغیر اس کو الٹایا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ تمام متون اور یجنل ہیں کیونکہ ہر ترجمہ اختیصاصی (distinctive) ہے۔ ہر ترجمہ ایک خاص نقطے تک ایک ایجاد ہے اور اس طرح ایک منفرد متن کی تشکیل کرتا ہے۔ (20)

توضیح کا ترجمہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے توضیح کے ذریعے ہدفی متن میں وہ سب واضح کیا جاتا ہے جو ماخذ متن میں غیر واضح ہوتا ہے۔ (21)

ماخذ متن کیسا بھی ہو اکثر مترجم ترجمے میں توضیح کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ایک محقق توضیح کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"توضیح وہ مظہر ہے جو تسلسل کے ساتھ ہدفی متن کی اس بات میں رہنمائی کرتا ہے کہ ماخذ متن کی معلومات کو اصل سے زیادہ واضح صورت میں بیان کیا جائے۔ اس طرح کا عمل ترجمے کے خلاؤں کو پر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اضافی وضاحتی جملوں کو شامل کر کے، implicatures کو وضاحت سے بیان کر کے یا معنیاتی مواصل کو شامل کر کے، تاکہ نئے متن کے منطقی بہاؤ میں معاونت اور اس کی مطالعہ پذیری کو بڑھایا جائے۔ یہ عمل مترجم کی، قاری کو معنی سمجھانے کی شعوری خواہش سے تحریک حاصل کرتا ہے۔" (22)

توضیح کے چار نمایاں طریقہ ہائے کار ہیں:

۱۔ معنیاتی توضیح ۲۔ نحوی توضیح ۳۔ پریمیٹک توضیح ۴۔ متنی توضیح

ان میں سے ہر طریقے کی مزید ذیلی صورتیں بھی ہیں۔

ان مختلف تکنیکوں کے مقاصد میں ابہام سے بچنا، وضاحت میں اضافہ کرنا، منطقی روابط کی وضاحت کرنا اور لسانی اور ثقافتی خدو خال کو واضح کرنا شامل ہے۔ (23)

علوم ترجمہ میں توضیح کے تصور کے مطالعے کے حوالے سے ابتدائی نام وئے اور ڈار بلنیٹ کا ہے۔

بعد میں یوجین نیڈا، اور Blum-Kulka نے اس میں اہم اضافے کیے۔ (24)

۱۹۶۰ء کی دہائی میں امریکا میں ٹرانسلیشن ورک شاپ کے ذریعہ ترجمہ کی ترویج کا کام ہوا جس کا مقصد ایک مخصوص کلچر میں نئے تراجم کا تعارف کروانا اور ترجمہ کے عمل اور متن کی تفہیم کے اصولوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرنا تھا۔ ٹرانسلیشن ورک شاپ کے متوازی تقابلی ادب کے رجحان نے بھی فروغ پایا

جس میں بین الاقوامی اور بین الثقافتی تناظر میں ادب کا تقابل کیا جاتا ہے جس کے لیے کچھ تراجم کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ (25)

متخالف لسانیات (Contrastive Linguistics) کے شعبے میں بھی ترجمہ، تحقیق کا ایک میدان بنا جس میں زبانوں کے درمیان عمومی اور مخصوص فرق کا مطالعہ دو زبانوں کے درمیان پائے جانے والے افتراقات کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ متخالف لسانیات، ۱۹۳۰ء کی دہائی میں امریکا میں منظم تحقیق کا ایک میدان بنا اور ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں نمایاں حیثیت اختیار کر گیا۔ ان تحقیقات کے لیے تراجم نے کافی مواد فراہم کیا۔ افتراقات کے مطالعے کے اس رجحان نے ترجمے میں لسانیاتی تحقیق پر بہت اثر ڈالا۔ ترجمے کے مطالعے کے بارے میں زیادہ منظم اور لسانیاتی رخ رکھنے والا طریقہ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں ابھرنا شروع ہوا جس سے ترجمے پر تحقیق سائنسی حدود میں داخل ہوئی۔ (26)

جیمز ایس ہومز کے مقالے 'The name and nature of translation studies' (مطبوعہ ۱۹۸۸ء، ۲۰۰۴ء) نے علوم ترجمہ کے امکانات کی حدود کے تعین میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اس نے جو مجموعی فریم ورک تجویز کیا اس کے مطابق ترجمے کے حوالے سے خالص تحقیقی میدانوں کے دو مقاصد ہیں:

۱۔ ترجمے کے مظہر کو بیان کرنا ۲۔ ایسے مظہر کی پیش بندی اور وضاحت کے لیے عمومی اصول قائم کرنا (ترجمے کا نظریہ)

نظریاتی شاخ کو عمومی اور جزوی نظریات میں تقسیم کیا گیا۔ ہومز کے نقشے کے مطابق خالص تحقیق کی بیانیہ شاخ 'بیانیہ علوم ترجمہ' کے نام سے جانی جاتی ہے جس کے تحت پروڈکٹ، تفاعل اور طریق عمل کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ ہومز کے فریم ورک کی اطلاقی شاخ، مترجم کی تربیت، ترجمے کے لیے امدادی اشیا اور ترجمے پر تنقید سے متعلق ہے۔ ترجمے کی پالیسی کے تحت ہومز سماج میں ترجمے کے مقام کے تعین کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ ہومز کا نقشہ اگرچہ پرانا ہو چکا ہے تاہم اب بھی یہ علوم ترجمہ میں ایک نقطہ آغاز فراہم کرتا ہے۔

ہومز کے فریم ورک کے ساتھ علوم ترجمہ میں جو تیزی آئی اس سے اس کے نقشے کے بہت سے حصے ابھرے۔ مشینی ترجمے اور کارپس پر مبنی مطالعات میں ہونے والی ترقی سے متخالف لسانیات کا ماند پڑا ہوا شعبہ دوبارہ ابھر کر سامنے آیا۔ لسانیات پر مبنی ترجمے کی سائنس، جرمنی میں بھرپور طریقے سے جاری رہی تاہم اس کے ساتھ جڑے مساویت (equivalence) کے تصور پر سوال اٹھے اور اسے دوبارہ سے سوچا گیا۔ جرمنی میں متن کی قسم اور متن کے مقصد کے گرد گھومنے والے نظریات کو عروج حاصل ہوا۔ Halliday کے ڈسکورس تجزیے اور منظم فنکشنل گریمر کا اثر ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں نمایاں ہوا، خاص طور پر آسٹریلیا اور برطانیہ میں، جو زبان کو سماجی ثقافتی تناظر میں ایک ابلاغی عمل کے طور پر دیکھتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں بیانیہ طرز کو عروج حاصل ہوا جس کے آغاز کے نقطے تقابلی ادب اور روسی فارمل ازم میں تھے۔ تل ابیب ایک پہل کار مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جہاں پر ایٹمار ایوان-زوہر اور Gideon Toury نے ادبی پالی سسٹم کے نظریے کو آگے بڑھایا۔ Hermans کے ایک اہم مرتبہ مضامین کے مجموعے نے 'Manipulation School' کو ابھارا۔ سوزن بیسنٹ اور اندرے لیفاویر (André Lefevere) کے مجموعے (۱۹۹۰ء) Translation, History and Culture نے 'cultural turn' (ثقافتی موڑ) کی اصطلاح کو متعارف کروایا۔ ثقافت پر مبنی اس متحرک طرز نے آنے والی دہائیوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

(28)

۱۹۹۰ء کی دہائی میں علوم ترجمہ میں نئے طریقے اور تصورات شامل ہوئے جن میں شیریں سائمن (Sherry Simon) کی قیادت میں کینیڈا میں ترجمے اور صنف (gender) پر ہونے والی تحقیق، برازیل کا cannibalistic سکول جسے Else Vieira نے آگے بڑھایا اور بنگالی سکالرز Tejaswini Niranjana اور Gayatri Spivak کی نمایاں شخصیات کے ساتھ مابعد نوآبادیاتی ترجمے کا نظریہ شامل ہیں۔ امریکا میں لارنس وینوٹی (Lawrence Venuti) کا ثقافتی مطالعات پر مبنی تجزیہ مترجم کے لیے وسیع تر رویت (visibility) اور شناخت کا تقاضا کرتا ہے۔ نئی ہزاری میں ترجمے کی ترقی مسلسل بڑھتی ہوئی رفتار سے جاری ہے۔ جن میدانوں پر خصوصی دلچسپی اور توجہ صرف کی گئی ہے ان میں؛ ترجمہ، گلوبلائزیشن اور مزاحمت؛ ترجمے کی سماجیات اور تاریخ نگاری؛ اور طریق عمل پر مبنی تحقیق شامل ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی سے اس

میدان میں تحقیقی سرگرمی اور ترجمہ نگاری کے عمل میں انقلابی تبدیلیاں آئی ہیں۔ نئے میدانوں میں مشینی اور خود کار ترجمہ، سمعی بصری اور ملٹی موڈل (multimodal) ترجمہ، localization-domestication اور کارپس پر مبنی علوم ترجمہ شامل ہیں۔ (29)

van Doorslaer نے ترجمے پر کام کی گیرائی کے پیش نظر ایک نیا تصوراتی نقشہ پیش کیا (۲۰۰۷)، جس میں تحقیق میں دلچسپی کے مختلف مراکز کو سامنے رکھتے ہوئے 'ترجمہ' اور 'علوم ترجمہ' کے درمیان امتیاز کیا گیا۔ اس نئے نقشے کے مطابق 'ترجمہ' ترجمے کے عمل کو دیکھتا ہے جس کی مزید تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

لسانی طریقہ (بین اللسانی، بیرون اللسانی)

میڈیا (مطبوعہ، سمعی بصری، الیکٹرانک)

طریقہ (پوشیدہ / صریح ترجمہ، براہ راست / بالواسطہ ترجمہ، مادری زبان / دوسری زبانوں میں ترجمہ، بوگس ترجمہ، ری ٹرانسلیشن وغیرہ)

میدان (سیاسی صحافتی، ٹیکنیکی، ادبی، مذہبی، سائنسی، تجارتی)

علوم ترجمہ کی مزید تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

طریقے (ثقافتی طریقے، لسانیاتی طریقے)

نظریات (جیسے عمومی نظریہ، پولی سسٹم نظریہ)

تحقیقی طریقے (جیسے بیانیہ، تجرباتی)

اطلاقی علوم ترجمہ (تنقید، didactics، ادارہ جاتی ماحول)

ان کے ساتھ، لسانیاتی دائرے کو بیان کرنے کے لیے اصطلاحات کا 'basic transfer map' متعارف کروایا جو 'ثقافتی موڑ' (cultural turn) کے باوجود ترجمہ کاری کے ٹھوس عمل کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نقشہ ترجمے کی حکمت عملیوں، طریقوں، اغلاط، اصولوں، روایات، قوانین اور ترجمے کے مختلف آلات پر مشتمل ہے۔ (30)

ترجمے پر ہونے والی حالیہ تحقیق کا ایک نمایاں پہلو اس شعبہ علم کی بین
العلومیت (interdisciplinarity) ہے۔ انٹر ڈسپلن موجودہ روایتی انداز فکر کو چیلنج کرتے ہوئے مختلف
علوم اور ٹیکنالوجیز کے درمیان نئے روابط کو دیکھنے اور پھیلانے کی بات کرتا ہے۔

Jeremy Munday کے بقول ترجمہ جن علوم کے ساتھ ابتدائی رشتہ قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا
ہے ان میں لسانیات (خصوصاً معنیات، پریگمٹکس، اطلاقی اور متخالف لسانیات، و قونی لسانیات)، جدید
زبانیں اور زبانوں کا مطالعہ، ثقافتی ادب، ثقافتی مطالعات (بشمول صنفی مطالعات اور مابعد نوآبادیاتی مطالعات)
، فلسفہ (لسانی فلسفہ، معنی کا فلسفہ، بشمول علم التفسیر، ڈی کنسٹرکشن اور اخلاقیات) اور حالیہ سالوں میں
سوشیالوجی، تاریخ اور تخلیقی لکھاؤ شامل ہوئے ہیں۔ (31)

اہم بات یہ ہے کہ علوم ترجمہ کا دیگر علوم کے ساتھ رشتہ متعین نہیں ہے۔ علوم ترجمہ کا ۱۹۶۰ء کی
دہائی میں متخالف لسانیات سے مضبوط رشتہ تھا جبکہ اس وقت زیادہ توجہ ثقافتی مطالعات کے تناظر پر ہے اور
حال ہی میں کمپیوٹر اور ملٹی میڈیا کی طرف رجحان بڑھا ہے۔ اطلاقی علوم ترجمہ کے حوالے سے دوسرے علوم
کے ساتھ ثانوی نوعیت کے رشتے سامنے آتے ہیں۔ (32)

ترجمے کے مطالعے کے موضوع میں وقت کے ساتھ ساتھ یہ تبدیلی آئی ہے کہ اب ترجمے کا مطالعہ
ابتدائی طور پر زبان سیکھنے سے منسلک ہونے کی بنیاد پر کرنے کے بجائے اس صورتحال کا مطالعہ ہے جس میں
ترجمہ اور مترجم اپنا وظیفہ سرانجام دیتے۔ علوم ترجمہ کے انٹر ڈسپلین اور ملٹی ڈسپلین ہونے کے حوالے سے
اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری ہے تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ علوم ترجمہ کے
حوالے سے نئے نئے تناظر اور پیراڈائم بھی مسلسل ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ ترجمے کے نظریات اور
ٹیکنیکوں کے ساتھ ساتھ مترجمین کے عملی کام پر بھی توجہ مرکوز کی جا رہی ہے۔

مغرب میں ترجمے کے نظریے کے حوالے سے قدیم عہد میں سروسے لے کر بیسویں صدی تک یہ
بحث مرکزی رہی اور بار بار ابھر کر سامنے آئی کہ ترجمہ حقیقی (لفظ بہ لفظ) ہونا چاہیے یا آزاد (معنی بہ معنی)۔
مغرب میں ترجمہ کے نظریے پر یہ تنازع بائبل کے ترجمے کے حوالے سے ہزار سال سے زیادہ عرصے تک

رہا۔ ابتدائی مغربی مترجمین اپنے ترجمے کے طریقہ کار کا جواز اپنے ترجموں کے دیباچوں میں پیش کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے سے پہلے ہونے والے کام سے زیادہ آشنا نہ ہوتے تھے تاہم ان کے کام میں مذہبی متن سے وفاداری نبھانے کی کوشش نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں زبان کا کلاسیکی نقطہ نظر ملتا ہے جو یورپی ہیومنزم کے ساتھ ابھرا اور جس کی بنیاد صراحت، منطق اور شائستگی کے اصولوں پر رکھی گئی۔ سترہویں صدی کے اواخر میں ڈرائیڈن نے ترجمے کے تین طریقے وضع کیے جس سے ترجمے کی منظم اور صحیح تعریف کرنے کے عمل کا آغاز ہوا۔ بعد میں Schleiermacher نے غیر ملکی متون کو جو اہمیت دی اس کا صاحبانِ علم پر جدید دور میں کافی اثر ہوا۔ (33)

۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں ماہرینِ لسانیات کی جانب سے ترجمے کے بارے میں اہم سوالات اٹھائے گئے۔ کلیدی اصطلاحات میں meaning اور equivalence شامل ہیں جنہیں رومن جیکبسن نے گفتگو کا موضوع بنایا اور نیڈا (Nida) نے ان کی واضح حیثیت کے تعین میں بہت اہم کردار ہے۔ نیڈا کی کتابوں نے معنی کا منظم تجزیہ کیا اور یہ تجویز دی کہ ترجمے کا مقصد equivalent effect کا حصول ہونا چاہیے۔ نیڈا کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ ترجمے کے نظریے کو حقیقی بمقابلہ آزاد ترجمہ کی جامد بحث سے باہر نکال کر اسے جدید دور میں لایا۔ اس کے formal اور dynamic equivalence کے تصورات نے وصول کنندہ کو مرکزی حیثیت دی اور بعد میں آنے والے نظریہ سازوں پر گہرے اثرات ڈالے۔ (34)

۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں ماخذ متن اور ہدفی متن کے حوالے سے ہونے والے چھوٹے چھوٹے لسانیاتی تغیرات کی تفصیلی درجہ بندیوں کی کوششیں ہوئیں۔ وئے اور ڈار بلنیٹ کی کلاسیکی درجہ بندی آج بھی گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے اور یہ ترجمے کی مختلف ٹیکنیکوں کے ایک وسیع سلسلے کو سامنے لائی۔ Catford نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں متخالف لسانیات کے ایک منظم طریقے کا، ترجمے پر اطلاق کیا تاہم وئے اور ڈار بلنیٹ کے ماڈل کی طرح یہ بھی نسبتاً جامد ماڈل ہے۔ تغیرات، خاص طور پر اسلوبیاتی تغیر کے تجزیے کے لیے، ایک اور طریقہ کار ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں چیکو سلواکیہ سے آیا۔ اسلوبیاتی تجزیے اور اس کا مترجم کی شناخت، مقاصد اور نظریے سے تعلق نئی ہزاروی کے 'translational stylistics' میں سامنے آیا۔ ترجمے کے عمل کے معانی اور تجزیے کے لیے ایک مختلف طریقہ کار و قونی نظریہ سازوں نے دیا جس کا

آغاز ۱۹۶۰ء کی دہائی کے پیرس سکول سے ہوا اور اس میں Gutt اور Bell شامل تھے۔ ایسے تحقیقی طریقوں نے ٹیکنالوجی میں ہونے والی ترقی کو استعمال کیا۔ (35)

۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جرمنی میں پروان چڑھنے والے ترجمے کے فنکشنلسٹ اور ابلاغی نظریات نے ترجمے کا رخ موڑا اور ترجمے کو عمومی طور پر ایک لسانیاتی مظہر کے بجائے بین الثقافتی ابلاغ کا ایک عمل سمجھا جانے لگا۔ Reiss کے ابتدائی کام نے لسانی تقابل، متن کی قسم، صنف اور ترجمے کی حکمت عملی کو آپس میں جوڑا۔ Reiss کے طریقے کو بعد میں Vermeer کے بہت زیادہ اثر رکھنے والے skopos کے نظریے سے ملا دیا گیا جہاں ترجمہ کی حکمت عملی کا فیصلہ ترجمے کے مقصد اور ہدفی ثقافت میں ہدفی متن کی کارگزاری سے لگایا جاتا ہے۔ skopos کا نظریہ Holz-Mänttari کے پیش کردہ ترجمے کے عمل کے ماڈل کا بھی حصہ ہے جو بزنس اور مینجمنٹ کے جا رگن کو استعمال کرتے ہوئے پیشہ ورانہ تجارتی ترجمے کو سماجی ثقافتی تناظر کے اندر جگہ دیتا ہے۔ یہاں ترجمے کو ایک ابلاغی لین دین کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس ماڈل میں ماخذ متن کو اس کے مقام سے ہٹا دیا جاتا ہے اور ترجمہ کو براہری کے بجائے اس بنیاد پر پرکھا جاتا ہے کہ وہ ہدفی متن کے اس عملی مقصد کے لیے موزوں ہے کہ نہیں، جس کا تعین کمشن کرتا ہے۔ Nord کا ماڈل مترجمین کی تربیت کے لیے بنایا گیا جو کارگزاری کے تناظر کو برقرار رکھتا ہے لیکن ایک زیادہ تفصیلی متنی تجربے کے ماڈل کو شامل کرتا ہے۔ ڈیجیٹل متن کو پیدا کرنے والی زیادہ حالیہ ٹیکنالوجی کی ترقی نے مختلف علاماتی طریقوں کو ملاتے ہوئے زیادہ لمبی ماڈل متون اور نئی اور مخلوط ویب کی اصناف کی تخلیق کی جانب توجہ کو مبذول کر دیا ہے۔ (36)

ڈسکورس اور رجسٹر تجزیے کے طریقوں کی بنیاد Halliday کی منظم فنکشنل لسانیات پر رکھی گئی جو چھوٹی سطح کے لسانیاتی انتخابات کو ایک متن کے ابلاغی تقابل اور اس کے پیچھے موجود سماجی ثقافتی معنویت سے جوڑتی ہے۔ House کے رجسٹر تجزیے کا ماڈل اس لیے بنایا گیا تاکہ ماخذ متن۔ ہدفی متن کے ایک جوڑے کا موازنہ موقعاتی تغیرات (situational variables)، اصناف، کارگزاری اور زبان کے ساتھ کیا جائے اور ترجمے کے لیے استعمال کیے جانے والے طریقے (مخفی اور ظاہر) اور ترجمے کی اغلاط، دونوں کی نشاندہی کی جائے۔ اس طریقے کو اس کے مبہم اور سائنسی جا رگن کی وجہ سے تنقید کا نشانہ نہ بنایا گیا ہے تاہم یہ مترجم کے لیے کچھ اہم غور طلب امور سے پردہ اٹھانے کے منظم ذرائع فراہم کرتا ہے۔ Baker، اور Hatim اور

Mason کے کام نے سماجی لسانیات اور pragmatics سے تصورات کے ایک سلسلے کو اکٹھا کیا جو ترجمے اور ترجمے کے تجزیے سے متعلق ہیں۔ (37)

ایوان-زوہر کا پولی سسٹم نظریہ، تراجم کے مطالعے کو تغیرات کے خالص لسانیاتی تجزیے اور آمنے سامنے برابری کے تصور سے باہر نکال کر، ہدفی ثقافت کے تاریخی اور ادبی نظاموں میں ایک کل کے طور پر، ترجمہ شدہ ادب کی حیثیت کی تفتیش کی طرف لے جاتا ہے۔ Toury وضاحتی علوم ترجمہ کے لیے ایک طریقہ کار کو تلاش کرنے کی طرف توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ڈی ٹی ایس کا حتمی مقصد ترجمے کے امکانی قوانین کی دریافت کرنا ہے جو مستقبل کے مترجموں اور محققین کی مدد کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ماخذ متن۔ ہدفی متن کے موازنے کی صحیح شکل کا تعین ابھی باقی ہے۔ اس سے متعلق Manipulation سکول کے سکارلز نے ۱۹۸۰ء میں کیس سٹڈیز اور نظریاتی ماڈلز کے باہمی اثر و نفوذ کی قیادت کی، جس کے درمیان ترجموں کی وضاحت کرنے کے لیے Lambert اور van Gorp کی منظم سکیم تھی۔ چیسٹر مین نے بعد میں norms کا تصور تشکیل دیا۔ (38)

ترجمے کے لسانیاتی نظریات سے توجہ ہٹ چکی ہے اور اب علوم ترجمہ میں ثقافتی مطالعات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ترجمہ ثقافتی انتقال کی حیثیت سے اور ثقافتی مطالعات کے اندر پروان چڑھنے والے دوسرے علوم کے ساتھ انٹرفیس کی حیثیت سے توجہ کا مرکز ہے جن میں ترجمہ بطور باز تحریر (rewriting)، ترجمہ اور جینڈر، ترجمہ اور مابعد نوآبادیات، ترجمہ اور نظریہ شامل ہیں۔ (39)

Venuti نے ترجمہ کی دو حکمت عملیوں 'domesticating' اور 'foreignizing' کا ذکر کیا ہے۔ Berman ترجمے کی ایسی حکمت عملیوں کی ضرورت سے بحث کرتا ہے جو ہدفی ثقافت میں غیر ملکی ہونے کو تجربہ کرنے کی اجازت دیں۔ ترجمے کے نظریات میں مترجم کے بطور ایجنٹ مرکزی کردار کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ علوم ترجمہ نے اس باہمی عمل کی پیچیدگی اور عملیات کو بیان کرنے کے لیے سوشیالوجی سے بھی نظریات لیے ہیں۔ (40)

Steiner نے جرمن علم تفسیر کا سہارا لیتے ہوئے ادبی ترجمے کی زبردست وضاحت کی ہے۔ ایزرا پاؤنڈ کے ترجموں اور تنقید نے اس بات پر زور دیا کہ کس طرح زبان ترجمے کے ذریعے ایک متن میں نئی روح پھونک سکتی ہے۔ والٹر بیٹجمن نے شاعرانہ انداز میں بتایا ہے کہ کس طرح سے لفظی ترجمے کے ذریعے خالص زبان کو رہا کیا جاسکتا ہے۔ ڈریڈا ترجمے کے کچھ طویل المیعاد ایقانات کو ڈی کنسٹرکٹ کرتا ہے۔ تجرباتی ترجمے کی جو تکنیکیں ابھر کر سامنے آئیں ان میں Haroldo de Campos کی 'transcreation' بھی شامل ہے جس کی بازگشت، معاصر ویڈیو گیم domestication اور Lewis کی 'abusive affinity' میں سنائی دیتی ہے۔ Nornes نے اس ٹیکنیک کو سب ٹائٹل بنانے کے لیے استعمال کیا۔ (41)

علوم ترجمہ میں تین نئے منظر نامے ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہے ہیں یا پھر ٹیکنالوجی کے ذریعے ان کا تعین ہو رہا ہے۔ ان میں سمعی بصری ترجمہ، domestication اور گلوبلائزیشن، اور کارپس پر مبنی اور کارپس آؤرڈہ (corpus-driven) طریق ترجمہ، شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے ترجمے کے عمل اور نظریے کی قدر کا تعین دوبارہ کیا ہے۔ ان تینوں منظر ناموں میں محقق کو بہت ہی مخصوص مہارتوں اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اور مختلف تخصیصی مہارتوں کی تاثیر کو زیادہ سے زیادہ حد تک بڑھانے کے لیے بین العلومی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ (42)

علوم ترجمہ کے کچھ ماہرین ترجمے کو لسانیاتی اور ثقافتی دائروں میں تقسیم کر کے دیکھنے کے حامی نظر نہیں آتے اور ان کے مطابق اس تقسیم نے مزاحمتیں اور مخالفتیں پیدا کر کے اس شعبہ علم کو نقصان پہنچایا ہے۔ Andrew Chesterman علوم ترجمہ کے ایک ایسے ہی ماہر ہیں جنہوں نے ۲۰۰۵ء میں "علوم ترجمہ میں consilience" کے عنوان سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

Andrew Chesterman نے علوم ترجمہ میں تحقیق کی چار دائروں میں درجہ بندی کی ہے۔ باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر یہ چار دائرے مٹی، وقوفی، سماجیاتی اور ثقافتی دائرے ہیں جو تکمیلی (complementary) بھی ہیں اور مُترَاکِب (overlapping) بھی۔ ہر دائرے کے اپنے مقاصد ہیں جن کے مطابق یہ اپنے سوالات اور طریقہ ہائے کار تخلیق کرتے ہیں۔

متنی دائرے میں جن امور کی تفتیش کی جاتی ہے ان میں ترجمے کی پروڈکٹ، انفرادی سطح پر ماخذ متن۔
 ہدفی متن کے جوڑے، بہت سے متون کے کارپورا (corpora) اور متن کے ٹکڑوں کی تفتیش شامل ہے۔
 وقوفی دائرے میں تجربی طریقے سے ترجمہ کے عمل کی تفتیش کی جاتی ہے، جیسا کہ با آواز بلند سوچنے کا
 پروٹوکول اور آئی ٹریکنگ (eye-tracking)
 سماجیاتی دائرہ انسانی ایجنٹ کے کردار پر نظر ڈالتا ہے۔

ثقافتی دائرہ ترجمے کو ایک وسیع تناظر میں جگہ دیتا ہے جیسے ایک ادبی تحریک یا نظریاتی طاقت کا کھیل۔
 اس دائرے میں ترجمے کے اصل جوہر کی شناخت، مطابقت پذیری (adaptation) اور اس سے متعلق
 اصطلاحات بھی آتی ہیں۔ یہ ترجمے کے روایتی تصورات کی تشکیل کی بنیادوں کو چیلنج کرتے ہوئے اور انہیں
 وسیع کرتے ہوئے زیادہ شدت کے ساتھ ترجمے کا مباحثہ تنقیدی اور ثقافتی نظریے سے کرواتا ہے۔

consilience کا ہمہ گیر اور وسعت پذیر ماڈل تمام علم کی وحدت کے تصور کو بنیاد بناتے ہوئے
 ترجمے کے عمل کو لسانیاتی یا ثقافتی دائروں میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کے لیے متنی، وقوفی، سماجیاتی اور ثقافتی
 دائروں پر مشتمل ایک نقشہ پیش کرتا ہے جہاں یہ دائرے الگ ہونے کے ساتھ باہم مربوط اور ایک دوسرے
 پر منحصر بھی ہیں اور تکمیلی (complementary) بھی ہیں اور مُترَکِب (overlapping) بھی۔ اس
 طرح ترجمے کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک وسیع تر تناظر میں کسی بھی مخصوص متن کے ترجمے، اور
 ترجمے کے تجزیے کے لیے موزوں ترین طریقہ کار اور دائرہ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔ (43)

اردو زبان میں ترجمہ نگاری کی باقاعدہ روایت موجود ہے اور زیادہ تر ترجمے عربی، فارسی اور انگریزی سے
 ہوئے ہیں تاہم ترجمہ نگاری پر تحقیقی اور علمی کام بہت کم ہوا۔ اردو میں ترجمہ نگاری کے اصول و ضوابط اور
 نظریات کے حوالے سے مضامین کی کچھ مرتبہ کتابیں موجود ہیں جن میں زیادہ تر مغربی تحقیق کا ترجمہ اور توضیح
 کی گئی ہے۔ اس وقت پاکستان میں جامعاتی سطح پر علوم ترجمہ کے شعبے کا قیام اور باقاعدہ تحقیق و تدریس کا آغاز
 ہو چکا ہے جس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اردو میں علوم ترجمہ کے حوالے سے جدید سائنسی خطوط پر تدریس
 و تحقیق کا کام آگے بڑھے گا۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"جہاں تک ہماری زبان کا تعلق ہے اس میں شاعرانہ انداز بیان کے لیے بڑی گنجائش ہے لیکن پیچیدہ و فلسفیانہ تحریروں کے ترجموں میں یہ ماند سی پڑ جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم نے ایسے ترجمے کم کیے ہیں جس میں زبان و بیان کے نئے اسلوب و تجربہ کا خیال بھی رکھا گیا ہو۔ دوسرے ترجمہ کرتے وقت نہ تو ہم نے نئے لفظوں کی ٹوہ لگائی ہے اور نہ لفظوں کو مخصوص معنی و مفہوم میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک ہی لفظ کو مختلف لفظوں سے ترجمہ کر کے ہمیشہ اپنا کام نکال لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ الفاظ ذہن میں پورے طور پر معنی و مفہوم کی تصویر ابھارنے میں ناکام رہتے ہیں۔ لفظوں کے ترجمے اور معنی متعین کرنے سے ایک طرف تو ابلاغ کا مسئلہ سہل ہو جاتا ہے دوسرے زبان میں سنجیدگی اظہار پیدا ہو جاتی ہے۔" (44)

اردو میں تراجم کے حوالے سے جمیل جالبی نے اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہمارے یہاں ترجمے کے بارے میں اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ بالکل اصل لگ رہا ہے۔ اس غلطی نے اس وجہ سے راہ پائی کیونکہ ہمارے یہاں ناولوں اور افسانوں کے آزاد ترجمے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ کسی پیچیدہ فلسفیانہ تحریر کے ترجمے میں ہرگز وہ روانی پیدا نہیں ہو سکتی جو براہ راست اس زبان میں لکھنے سے پیدا ہو سکتی ہے اور جب ترجمہ رواں نہیں ہو سکتا تو پھر وہ کس طرح اصل معلوم ہو گا۔ ایسی صورت میں مترجم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مصنف کی طرزِ ادا اور لہجے کا خیال رکھے۔ لفظوں کا ترجمہ ایسے الفاظ سے نہ کیا جائے جو قریب قریب کے معنی ادا کرتے ہوں اور حسب ضرورت نئے الفاظ، نئی بندشیں اور نئے مرکبات تراشے اور وضع کیے جائیں۔ ایسے ترجمہ کا کوئی فائدہ نہیں جس میں سلاست تو ہو لیکن وہ مصنف کی روح، تیور اور لہجے کو ہم سے دور کر دے اور اس کے ساتھ ساتھ زبان کے مزاج کو بھی روایتی اظہار بیان اور روش پر قائم رکھے اور یہ کوشش نہ کرے کہ اس میں کسی نئے تجربے، اضافے یا امکان کو جگہ دی جائے۔ زبان کا مزاج بدلنے، اس کو نئے امکانات سے روشناس کروانے اور اسے طرزِ ادا کی نئی صورتوں سے آشنا کرانے کے عمل میں مترجم کا کردار بہت اہم ہوتا

ہے۔ ترجمہ وہ عمل ہے جس کے ذریعے کسی ایک زبان کی تہذیب، کسی دوسری زبان کی تہذیب سے جڑ کر نئے پھول کھلا سکتی ہے۔ (45)

یہ بات اہم ہے کہ ایک شعبہ علم کی حیثیت سے ترجمے کی حدود کو وسعت دینے کے لیے نظریہ سازی کے حوالے سے غور و فکر کے ساتھ ساتھ تجربی (empirical) مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ غور و فکر کے حامل تبصروں، مقدمات اور تحقیقی پروجیکٹس کے ذریعے علوم ترجمہ کے طالب علم اور پیشہ ور مترجمین تجرباتی مطالعے میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ علوم ترجمہ کے طالب علموں کو اپنے تعلیمی پروگرام کی ضرورت کے تحت کسی متن کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات اس ترجمے کے عمل پر ایک تفصیلی تبصرہ بھی لکھنا پڑتا ہے۔ اس تفصیلی تبصرے یا مقدمے میں اس ترجمے کے لیے اختیار کیے گئے طریقوں اور حکمت عملیوں اور اس عمل کے دوران پیدا ہونے والے مسائل و مشکلات اور ان کے حل کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان تبصروں کے ذریعے ہمیں مترجم کے غور و فکر سے سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور ترجمہ کے عمل کے بارے میں بھی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ روایتی انداز میں ایک مستحکم مطبوعہ متن کے ترجمے کا مطالعہ اب معمول نہیں رہا۔ نئی ٹیکنالوجی میں ہونے والی پیشرفت، سوشل میڈیا اور خود کار آن لائن ترجمے نے متون کی نئی صورتیں اور اقسام تشکیل دی ہیں اور ان کے اختراعی مطالعے کے لیے وسیع امکانات پیدا کر دیے ہیں۔ رابطے کی نئی صورتوں میں ترجمہ اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس میدان میں داخل ہونے والے نئے لوگوں کے لیے مبتدیوں نے مضبوط بنیادیں فراہم کی ہیں۔ اب یہ نئے آنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ اس میدان کی کون سی نئی جہتیں اور منطقے دریافت کرتے ہیں اور علوم و فنون کے دوسرے میدانوں سے ربط و اتصال کی کیا صورتیں وضع کرتے ہیں۔

ج۔ تحلیلی فلسفہ: تعارف اور بنیادی مباحث

تحلیلی فلسفہ (Analytic Philosophy)

بیسویں صدی میں زندگی کی صورت حال میں تبدیلی کا عمل ماضی کے مقابلے میں تیز تر ہو گیا جس سے طبعی علوم کے ساتھ ساتھ فلسفے میں بھی عظیم اور ہمہ گیر تبدیلی آئی۔ ماضی میں فلسفہ اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ

وہ حیات و کائنات کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے مگر بیسویں صدی کے عظیم انقلاب کے بعد فلسفہ یہ بات تسلیم کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس کا وجود لسانی مغالطوں کے مرہونِ منت ہے اور زبان کے درست فہم کے ذریعے فلسفیانہ مسائل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ فلسفے کا کام زبان اور سائنسی طریقہ کار کا منطقی تجزیہ اور وضاحت ہے۔ اسی بنیاد پر بیسویں صدی کو فلسفے کے حوالے سے "تجزیہ کا عہد" (age of analysis) کہا جاتا ہے جس میں جدید ایڈیمک فلسفے کی لیے "تحلیلی فلسفہ" کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ (46)

بیسویں صدی میں فروغ پانے والا یہ انقلابی مکتبہ فکر، فلسفے کے روایتی افکار کے مسترد ہونے کی وجہ سے ابھرا۔ تحلیلی فلسفے کا آغاز ہیگل کے نظریات پر تنقید سے ہوا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک مغربی دنیا میں فلسفے کے تقریباً تمام پروفیسر ہیگل کے فلسفے سے متاثر نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں فلسفے کے انداز میں تبدیلی کا آغاز بریڈلے (۱۸۶۳ء تا ۱۹۲۴ء) سے ہوا۔ اس نے روایتی برطانوی فلسفے کی نفسیات پسندانہ روش کے خلاف احتجاج کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ منطق اور فلسفہ کے ذریعے جن تصورات کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہ ان تصورات سے بالکل مختلف ہیں جن کا مطالعہ نفسیات کرتی ہے یعنی نفسیات کا شعبہ منطق و فلسفہ سے الگ ہے۔ بریڈلے کا ممتاز معاصر گوٹلب فریگر (۱۸۴۸ء تا ۱۹۲۵ء) بھی اسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ (47)

فلسفے اور نفسیات میں امتیاز کرنے کا براہِ راست اثر یہ ہوا کہ بریڈلے اور فریگر کی وساطت سے معنی کا تصور فلسفیانہ مباحث کا ناگزیر حصہ بنا۔ بقول قاضی جاوید:

"معاصر تحلیلی فلسفے کی داستان معنی کی جستجو کی کہانی ہے۔ پروفیسر مور، رسل، وٹکنسٹائن، وی آنا سرکل کے دانشور اور لسانی فلسفی سب کے سب معنی کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ تحلیلی فلسفہ بنیادی طور پر زبان کے مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن زبان کا فلسفیانہ مطالعہ لسانیاتی، لغاتی اور گرامر وغیرہ کے مطالعے سے بالکل مختلف ہے۔" (48)

لسانیاتی اور قواعدی (grammatical) مطالعے کا مقصد زبان کے بارے میں تجربی قضیات تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے جن میں زبان کا آغاز و ارتقاء، استعمال اور معنی وغیرہ شامل ہیں۔ ان موضوعات سے متعلق سوالات کی نوعیت سائنسی ہے جن کے جوابات سائنسی طریقے سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس کے

مقابلے میں فلسفی جب زبان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا مقصد فلسفیانہ مسائل کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ وہ لسانی یا عقلاتی وحدتوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ وہ عام طور پر زبان کی ترکیب کا علم اس کے اجزاء اور باہمی اضافتوں کے محتاط تجزیے کی مدد سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قاضی جاوید کے بقول:

"ماضی میں بھی فلسفے کا ایک حصہ لسانی تحلیل پر مشتمل تھا۔ تاہم ماضی کے فلسفی اپنی سرگرمی کا واضح شعور نہیں رکھتے تھے۔ اب فلسفی نہ صرف اس کا شعور رکھتے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر کے نزدیک فلسفہ محض لسانی تحلیل ہے اور فلسفیانہ مسائل زبان سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر وہ تجربی مسائل ہیں تو پھر ان کا تعلق فلسفے کے بجائے سائنس سے ہے۔" (49)

تحلیلی فلسفے کا مکتبہ فکر جن مختلف صورتوں میں سامنے آیا ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱- لسانیاتی تجزیہ (Linguistic Analysis)

۲- منطقی تجزیہ (Logical Analysis)

۳- فلسفیانہ تجزیہ (Philosophical Analysis)

۴- روزمرہ زبان کا فلسفہ (Ordinary Language Philosophy)

۵- کیمرج کا تجزیاتی مکتبہ فکر (Cambridge School of Analysis)

۶- آکسفورڈ کا فلسفہ (Oxford Philosophy) (50)

تحلیلی فلسفے کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے مختلف فلسفی کم از کم اس دعوے پر متفق نظر آتے ہیں کہ فلسفے کا کلی وظیفہ اور اصل منصب تجزیہ اور تحلیل ہی ہے۔ ان فلسفیوں کے نزدیک فلسفے میں یہ صلاحیت ضرور موجود ہے کہ وہ ایک ایسا لسانی تفاعل (Linguistic Activity) تشکیل دے جس سے تفکر و تعقل میں پیدا ہونے والی الجھنوں اور پیچیدگیوں کا مناسب حل تلاش کیا جاسکے۔ ان فلسفیوں کے نزدیک مطلق اور مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کی جستجو کے ذریعے کسی نتیجے پر پہنچنا فلسفے کا وظیفہ نہیں ہے۔ قاضی قیصر الاسلام تحلیلی فلسفے کے متعلق لکھتے ہیں:

"تحلیلی فلسفے کے مبداء اور آغاز کا سراغ لگانا اگر مقصود ہو تو پھر اسے جارج ایڈورڈ مور کے "روزمرہ زبان کے فلسفے" میں اور برٹرینڈ رسل کی "مثالی زبان" کی فکر میں دیکھنا چاہیے۔ تاہم سچ پوچھئے تو اس مکتبہ فکر کا اصل ماخذ اور محرک اپنی واضح صورت میں اگر کہیں نظر آتا ہے تو وہ وٹگنسٹائن کے دور اول اور دور ثانی سے متعلق فکری نظریے یعنی زبان کا تصویری / تشبیہی نظریہ اور لسانی کھیل کا نظریہ ہیں۔" (51)

i۔ منطقی اثباتیت (Logical Positivism)

بیسویں صدی میں آنے والے سائنس اور ٹیکنالوجی کے عظیم انقلاب کا اظہار فلسفے کے میدان میں منطقی اثباتیت کی تحریک کی صورت میں ہوا۔ ایک باقاعدہ فکری تحریک کے طور پر منطقی اثباتیت کا تعلق "ویانا سرکل" (Vienna Circle) سے ہے جو دانشوروں کا ایک حلقہ تھا۔ "ویانا سرکل" کے اہم اراکین میں موٹیز شکل، روڈلف کارنپ، فلپ فرینک، ہانس ہن، اوٹونور تھ، ہربرٹ فیگل، فریڈرک وائیزمین، کیرٹ گولڈ اور وکٹر کرافٹ وغیرہ شامل ہیں۔ مورٹیز شکل (۱۸۸۲ء تا ۱۹۳۶ء) منطقی اثباتیت کے نظریے کا بانی تھا جو ویانا یونیورسٹی میں فلسفی اور سائنسدان تھا۔ اس کی کوششوں کے نتیجے میں فلسفیوں کی یہ جماعت ۱۹۲۴ء میں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوئی۔ (52)

ان دانشوروں کی زیادہ دلچسپی سائنس اور ریاضی سے تھی اس لیے انہیں مابعد الطبیعیاتی مسائل سے دلچسپی نہ تھی اور ان کے نزدیک مابعد الطبیعیاتی مسائل پر غور و فکر وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ ان مجالس میں زیادہ تر سائنس اور فلسفے پر بات ہوتی اور سیاسی، سماجی، تاریخی اور مذہبی موضوعات کبھی کبھی گفتگو کا موضوع بنتے تھے۔ (53)

ویانا سرکل کے دانشوروں کی گفتگو کا مرکزی موضوع فلسفے کے روایتی ابہام کو دور کرنا اور سائنس اور فلسفے میں قریبی تعلق پیدا کرنا تھا۔ منطقی اثباتی فلسفے کا مرکز اصول تصدیق پذیری (Principle of Verification) ہے اور اس اصول کی اصل روح وٹگنسٹائن کے فلسفے سے اخذ کی گئی۔ اصول تصدیق پذیری

کے مطابق کسی قضیے کے مفہوم کے تعین کے لیے تجربی شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ قاضی قیصر الاسلام منطقی اثباتیت کے اصول تصدیق پذیری کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس اصول کے تحت جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ بالآخر یہ ہے کہ حقیقت مطلقہ کی اصل ماہیت کا کھوج لگانا فلسفے کا اصل موضوع اور وظیفہ ہے ہی نہیں، بالکل اسی طرح اس اصول کے تحت خدا کے وجود کے متعلق دعوے اور روح، غیر فنائیت، اخلاقی اور جمالیاتی اقدار جیسی چیزوں کو درست یا نادرست غلط یا صحیح تسلیم کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل نہیں۔" (54)

قاضی جاوید کے بقول:

" اصول تصدیق پذیری کو اولین طور پر وٹکنسٹائن نے "رسالہ" (Tractatus Logico-Philosophicus) میں پیش کیا۔ اس کے نزدیک ابتدائی جملے کیونکہ واقعات کی تصویریں ہیں اور مرکب جملوں کی تشکیل ابتدائی جملوں کے اثبات یا نفی سے ہوتی ہے۔ لہذا مرکب جملوں کی تصدیق یا تکذیب صرف واقعات سے ہو سکتی ہے۔" (55)

ii-لسانیاتی تحلیل (Linguistic Analysis)

"منطقی اثباتیت" کے علاوہ "تحلیلی فلسفے" کی ایک اور صورت "لسانیاتی تحلیل" کہلاتی ہے۔ "لسانیاتی تحلیل" کو "لسانیاتی فلسفہ" (Linguistic Philosophy) اور "روزمرہ زبان کا فلسفہ" (Ordinary Language Philosophy) بھی کہا جاتا ہے۔ "لسانیاتی تحلیل" تجزیے کا ایک جداگانہ رجحان ہے جو منطقی اثباتیت کی طرح ایک باقاعدہ انجمن اور تحریک کی صورت اختیار نہ کر سکا لیکن اپنے حاصلات کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ تحلیلی فلسفیوں کا ایک گروہ اپنے نقطہ نظر میں خاص حد تک مشابہت کی بنیاد پر "لسانیاتی تحلیل" کے رجحان کا علم بردار کہلاتا ہے۔

تحلیلی فلسفے کے دوسرے رجحانات کی طرح "لسانیاتی تحلیل" بھی اس نقطہ نظر کی حامل ہے کہ روایتی فلسفیانہ مسائل جعلی ہیں اور ان مغالطوں کا نتیجہ ہیں جو زبان کی حقیقی ماہیت کا فہم حاصل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ فلسفے کا کام زبان کے غلط استعمال سے پیدا ہونے والے مغالطوں کی وضاحت کے ذریعے ان سے نجات حاصل کرنا ہے۔ (56) قاضی جاوید کے بقول:

"کیمبرج سے تعلق رکھنے والے لسانیاتی تحلیل فلسفی یہ کہتے ہیں کہ فلسفے کو ہماری زبان کی "بیماریاں" دور کرنے کا معالجاتی فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔ مابعد الطبیعیات سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں لسانیاتی فلسفیوں نے نہ صرف روایتی مابعد الطبیعیات بلکہ کسی قابل فہم فلسفیانہ تصور تک پہنچنے کے امکان کو رد کرتے ہوئے منطقی اثباتیت کو اس کے اصول تصدیق پذیری سمیت مسترد کر دیا ہے۔ لسانیاتی تحلیل کو فلسفیانہ تحقیق کا واحد آدرش قرار دیتے ہوئے لسانیاتی فلسفیوں اور خصوصاً ان کے آکسفورڈ گروپ نے منطقی اثباتیوں کے برخلاف کسی مصنوعی زبان کی تشکیل پر توجہ نہیں دی۔ ان کی توجہ کا مرکز روزمرہ زبان ہے اور وہ اس مفروضے سے ابتدا کرتے ہیں کہ فطری زبان کے وسائل کی افراط کو کسی مثالی زبان کے ڈھانچے میں مکمل طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔" (57)

"لسانیاتی تحلیل" کی ابتدائی ترقی میں اہم کردار وٹگنسٹائن کا ہے۔ بیسویں صدی میں اکیڈمک فلسفہ جن دو بڑے مکتبہ ہائے فکر میں منقسم رہا ان میں سے ایک منطقی اثباتیت اور دوسرا "لسانیاتی تحلیل" ہے۔ تحلیل فلسفے کے ان دونوں رجحانات کی تشکیل میں وٹگنسٹائن کا کردار بہت اہم ہے۔ وٹگنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفے کی نمائندہ تصنیف "Philosophical Investigations"، "لسانیاتی تحلیل" کے لئے تخلیقی تحریک کا باعث بنی۔" (58)

موجودہ عہد میں وٹکنسٹائن کے فلسفے کے پیروکار زیادہ تر اس کے دوسرے دور کے فلسفے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ "لسانیاتی تحلیل" سے دلچسپی رکھنے والے معاصر فلسفیوں نے ویانا سرکل کے اراکین کے برخلاف سائنس اور ریاضی کے بجائے فلسفے کی کلاسیکی روایت میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اس طرح یہ فلسفی روزمرہ زبان کو ریاضیاتی منطق جیسی کسی آدرشی زبان پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی "لسانیاتی تحلیل" کا بنیادی نقطہ نظر ہے۔ (59)

لسانیاتی فلسفی اس نقطہ نظر کے حامل ہیں کہ فلسفیانہ مسائل کے حل کے لیے زیر بحث مسئلے سے متعلق زبان کے حقیقی استعمال کو واضح کرنا ضروری ہے۔ پہلے سے موجود فلسفیانہ نظریات جو فلسفیانہ مسائل کے حل کا دعویٰ کرتے ہیں، لسانیاتی مفکرین کے نزدیک محض الفاظ کے استعمال کے مختلف طریقوں کے باہم گڈمڈ ہونے سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر الفاظ کے استعمال کی مختلف صورتوں کو بیان کر دیا جائے اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کر کے واضح کر دیا جائے تو پھر ایسے نظریات کے لیے کوئی گنجائش نہیں بچتی جو فلسفیانہ مسائل کے حل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ "لسانیاتی تحلیل" الفاظ کے استعمال کا بیان اور استعمال کی مختلف صورتوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کی ایسی نئی تکنیک ہے جس کے ذریعے فلسفیانہ الجھنوں کو دور کیا جاتا ہے۔ الفاظ کے استعمال کی مختلف صورتوں کو بیان کرنے اور ایک دوسرے سے ممتاز کرنے سے جو وضاحتی صورت سامنے آتی ہے وہ نہ تو پہلے سے مبہم کسی عمومی صداقت کو بیان کر رہی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی نئی شے کو دریافت کر رہی ہوتی ہے بلکہ ان الجھنوں کو دور کر رہی ہوتی ہے جو مختلف لسانی استعمالات کے آپس میں گڈمڈ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ لسانیاتی فلسفہ کسی اور شے کے بارے میں کوئی باقاعدہ نظریہ قائم نہیں کرتا بلکہ پہلے سے موجود نظریات کی بے معنویت کا خاتمہ کرتا ہے اور نظریاتی مہم جوئی کی بیماری کا علاج کرتا ہے۔ فلسفیانہ الجھنیں حقیقی مفہوم تک رسائی کی راہ میں حائل دشواریوں کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں اور فلسفیانہ تحلیل کے ذریعے ان دشواریوں کو دور کر کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ (60)

"لسانیاتی تحلیل" کی نشوونما میں وٹکنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفے کا کردار نمایاں ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی کئی اور فلسفی انہیں خطوط پر سوچ رہے تھے۔ وٹکنسٹائن کیمبرج یونیورسٹی میں اپنے شاگردوں کو جن فلسفیانہ افکار سے آشنا کر رہا تھا، ان سے ملتے جلتے افکار بعض دیگر فلسفی آزادانہ طور پر تشکیل دے رہے تھے۔ لسانیاتی فلسفہ منطقی اثباتیت کی طرح منظم صورت میں نہ تھا نہ ہی اس کو واضح طور پر ایک ایسی تحریک کہا

جا سکتا ہے جس میں چند افراد کے نظریات ایک گروہ کے نظریات بن جائیں اس لیے اس کے عمومی نظریات کے ساتھ ساتھ مختلف لسانیاتی فلسفیوں کے انفرادی افکار بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ (61)

عام طور پر لسانیاتی فلسفیوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک "کیمبرج گروپ" کہلاتا ہے اور دوسرا "آکسفورڈ گروپ"۔ کیمبرج گروپ میں قابل ذکر نام نارمن میکولم، ونگنسٹائن اور جان وزڈم کا ہے۔ آکسفورڈ گروپ کے قابل ذکر ناموں میں گلبرٹ رائل، جان لینگ شا آسٹن اور پیٹر فریڈرک سٹراسن کا نام شامل ہے۔ (62)

بیسویں صدی میں مغربی دنیا کی فلسفیانہ دلچسپیوں اور فلسفے کے طریقہ ہائے کار میں اتنی شدت اور تیزی کے ساتھ جو عظیم انقلاب برپا ہوا اس کی کوئی مثال مغربی فکر کی تاریخ میں پہلے نہیں ملتی۔ (63) بقول قاضی جاوید:

"یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عظیم تغیر کا دور مکمل ہو چکا ہے۔ اس بات کا فیصلہ مستقبل کا مؤرخ ہی کر سکے گا۔ وہ فلسفے کے اس رجحان کے آخری حاصلات کو پرکھنے کے قابل بھی ہو گا جو اس نے ہمارے عہد میں اپنایا ہے۔ خیر ایک بات اب بھی وثوق سے کہی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آئندہ کبھی فلسفی اپنے مسائل کو حل کرتے وقت زبان کی اہمیت کو نظر انداز نہ کر سکیں گے۔ یہ تحلیلی فلسفے کا لازوال نتیجہ ہے۔" (64)

د - ونگنسٹائن: تعارف اور فکری ارتقا

i- تعارف

لڈوگ ونگنسٹائن کا شمار بیسویں صدی کے جدید مغربی فلسفے کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ اس کے خیالات سے اتفاق نہ کرنے والے بیشتر فلسفی بھی اسے بیسویں صدی میں فلسفے کی سب سے زیادہ با اثر شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔ اکیڈمک فلسفیوں کا ایک گروہ اسے بیسویں صدی کا عظیم ترین فلسفی مانتا ہے۔ اس بات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ونگنسٹائن ایک انتہائی اور یجنل فلسفی ہے جس

کے خیالات نے ایک پورے عہد کو متاثر کیا اور بیسویں صدی کے فلسفیانہ منظر نامے کو مستقل طور پر بدل دیا۔ آج بھی دنیا بھر میں فلسفے سے منسلک اداروں میں اس کی کتابوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق اور مباحث کا عمل جاری ہے۔

تحلیلی فلسفہ جدید ترین معاصر فلسفہ ہے جس کے بانیوں میں اہم ترین نام وٹگنسٹائن کا ہے۔ جدید مغربی فلسفے کی تشکیل میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے تحلیلی فلسفے کے دو اہم رجحانات، یعنی منطقی اثباتیت اور لسانیاتی تحلیل کی ابتدائی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ منطقی اثباتیت کے مکتبہ فکر نے وٹگنسٹائن کے فلسفے کے پہلے دور کی نمائندہ کتاب "Tractatus Logico-Philosophicus" سے تخلیقی تحریک حاصل کی جبکہ لسانیاتی تحلیل کے مکتبہ فکر نے وٹگنسٹائن کے فلسفے کے دوسرے دور کی نمائندہ کتاب "Philosophical Investigations" سے، تخلیقی تحریک حاصل کی۔ قاضی جاوید کے بقول: "یہ امر طے شدہ ہے کہ بیسویں صدی کے مغربی فلسفے کو وٹگنسٹائن سے زیادہ کسی اور شخص نے متاثر نہیں کیا۔" (65)

Ray Monk وٹگنسٹائن کی سوانح حیات میں اس کا تعارف کچھ اس طرح کرواتے ہیں:

"لڈوگ وٹگنسٹائن کی شخصیت میں ایک ایسی سحر انگیزی ہے، جسے، اس صدی (بیسویں صدی) میں فلسفے کی نشوونما پر اس کے بہت زیادہ اثر و رسوخ کے حوالے سے، پوری طرح نہیں سمجھایا جاسکتا۔ یہاں تک کہ تجزیاتی فلسفے سے کافی حد تک غیر متعلق رہنے والے بھی اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس کے بارے میں نظمیں لکھی گئی ہیں، اس سے متاثر ہو کر تصویریں بنائی گئی ہیں، اس کے کام کے لیے موسیقی ترتیب دی گئی ہے اور اسے ایک کامیاب ناول میں مرکزی کردار بنایا گیا ہے جو ایک افسانوی سوانح حیات کے دائرے سے کچھ تجاوز کر گیا ہے۔" (The Word as I Found it, از Bruce Duffy) اس کے علاوہ اس کے بارے میں کم از کم پانچ ٹیلی ویژن پروگرام بنائے جچکے اور اس کے متعلق بے شمار

یاداشتیں اکثر ایسے لوگوں کی ہیں جو اس سے معمولی شناسائی رکھتے تھے۔"

(66)

وٹکنسٹائن کا خاندان آسٹریو-ہنگیرین سلطنت کے امیر ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔ اس کے والد ایک صنعت کار تھے جو عملی طور پر آسٹریا کی ساری لوہے اور سٹیل کی صنعت کے مالک تھے۔ والد کے زیر اثر اس نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی تاہم فلسفیانہ سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی لگن، ۱۹۱۱ء میں اسے کیمبرج یونیورسٹی میں لے آئی۔ کیمبرج میں وہ بہت جلد برٹینڈرسل کا پسندیدہ شاگرد بن گیا۔ رسل نے اس سے یہ توقع وابستہ کر لی تھی کہ وہ فلسفہ منطق (Philosophy of logic) کے اب تک حل نہ ہونے والے مسائل کا حل تلاش کرے گا۔ وٹکنسٹائن نے ۱۹۱۳ء میں کیمبرج کو خیر آباد کہہ کر ناروے میں ایک سال تک تنہائی اختیار کی تاکہ منطق پر پوری توجہ کے ساتھ غور و فکر کیا جاسکے۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر اس نے آسٹرین آرمی میں شمولیت اختیار کی اور جنگ کے اختتام پر اٹلی میں جنگی قیدی بن گیا۔ اس وقت تک وہ اپنی پہلی کتاب Tractatus Logico-Philosophicus لکھ چکا تھا جو ۱۹۲۱ء میں چھپی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کتاب میں اس نے تمام فلسفیانہ مسائل کا حل پیش کر دیا ہے چنانچہ اس نے فلسفے کو ترک کر کے سکول کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ جلد ہی اسے یہ ملازمت چھوڑنی پڑی اور تدریس کا مختصر دورانیہ اس کے لیے ایک ناکام اور ناخوشگوار تجربہ ثابت ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں ماہر تعمیرات کی حیثیت سے اس نے اپنی بہن کے لئے ایک گھر کی ڈیزائننگ اور تعمیر کی نگرانی شروع کی۔ فلسفیانہ مسائل کا حتمی حل حاصل کر لینے کے حوالے سے Tractatus کے بارے میں اس کے خیالات تبدیل ہوئے اور ۱۹۲۹ء میں وہ فلسفے پر کام کرنے کے لیے دوبارہ کیمبرج آیا۔ (67) Ray Monk کے بقول:

"۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۹۵۱ء میں اس کی وفات تک، وٹکنسٹائن نے فلسفہ

کرنے کے ایک نئے طریقے پر کام کیا، جس کی اس مضمون کی تاریخ میں کوئی

مثال نہیں ملتی۔ یہ فلسفے تک رسائی کا ایک ایسا طریقہ ہے جو ٹریکٹیسٹس سے

حاصل ہونے والی بصیرت کے ساتھ وفادار رہنے کی کوشش کرتا ہے، وہ یہ

کہ فلسفہ ایک سائنس یا سائنس جیسی کوئی شے نہیں ہو سکتا۔ یہ نظریات پر

مشتمل ایک تنظیم نہیں ہے بلکہ ایک سرگرمی ہے، اس سرگرمی کے ذریعے ان الجھنوں کو ختم کیا جاتا ہے جو زبان کے ذریعے ڈالے جانے والے جادو کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ میری رائے میں، اس تصور کی تشکیل، فلسفے کے مضمون میں وٹکنسٹائن کی سب سے بنیادی اور اہم شراکت ہے۔" (68)

ii - وٹکنسٹائن کا فکری ارتقا اور تصانیف کا مختصر تعارف

لڈوگ وٹکنسٹائن ایک بہت زیادہ دولت مند اور انتہائی باصلاحیت گھرانے میں پیدا ہوا۔ تین بہنوں اور چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس کے والد کارل وٹکنسٹائن آسٹرو-ہنگیرین سلطنت کے بڑے صنعت کار اور امیر ترین لوگوں میں سے ایک تھے۔ اس کا خاندان فنون لطیفہ، خاص طور پر موسیقی سے گہرا شغف رکھتا تھا۔ ویانا میں اس خاندان کے شاندار گھر میں اکثر موسیقی کی شاموں کا اہتمام ہوتا تھا جس میں نامور موسیقار شرکت کیا کرتے تھے۔ وٹکنسٹائن کو بھی موسیقی سے گہرا شغف تھا۔ ایک بار اس نے اپنے دوست Drury سے کہا: "میری زندگی میں موسیقی کی جو وقعت ہے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں ایک لفظ بھی کہنا میرے لیے ممکن نہیں، تو پھر میں کیسے یہ امید رکھ سکتا ہوں کہ مجھے سمجھا جائے؟" (69)

ابتدائی زندگی میں اسے فلسفے سے کوئی خاص دلچسپی نہ رہی۔ سکول کے طالب علم کی حیثیت سے اس نے کوئی نمایاں کامیابی نہ سمیٹی۔ اس کے والد نے اس کے بڑے بھائیوں کو صنعت و تجارت کے شعبے میں کامیاب بنانے کے لیے ان کی تکنیکی تعلیم پر خاص توجہ دی اور گھر میں ان کے لیے خصوصی تعلیم کا اہتمام کیا تاہم اس کے بہت برے نتائج سامنے آئے۔ اس کے دو بڑے بھائیوں کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں اپنے والد سے بہت مختلف تھیں۔ اس کا بھائی ہینس ایک میوزیکل جینیٹس تھا جو گھر سے بھاگ کر امریکہ میں لاپتہ ہوا، جہاں اس نے بظاہر خود کشی کر لی۔ دوسرے بھائی روڈلف نے برلن میں خود کشی کر لی۔ اسے اداکاری سے دلچسپی تھی۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہوا کہ وٹکنسٹائن اور اس کے بھائی پال کو زیادہ روایتی انداز میں تعلیم دینے کے لیے سکول میں بھجوا یا گیا۔

وٹکنسٹائن نوجوانی کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر بے چین اور ناخوش رہا۔ اس کے بقول اسے انجینئرنگ سے دلچسپی نہ تھی اور اپنے باپ کی اس خواہش کے زیر اثر اس نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی کہ

کم از کم اس کے ایک بیٹے کو تو ٹیکنیکل شعبے کو اختیار کرنا چاہیے تاہم یہ بات بھی اہم ہے کہ وہ شروع سے ہی مشینوں میں گہری دلچسپی لیا کرتا تھا۔ بچپن میں اس نے ایک کام کرنے والی سلائی مشین بنائی اور اپنی زندگی کے آخری سالوں میں لندن کے سائنس میوزیم میں موجود بھاپ کے انجن سے اسے خاص دلچسپی رہی۔ برلن سے ڈپلومہ کرنے کے بعد وہ مائچسٹر چلا گیا جہاں وہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۱ء تک مائچسٹر یونیورسٹی میں ریسرچ سٹوڈنٹ کی حیثیت سے داخل رہا۔ وہاں پہلے اس نے موسمیاتی تحقیق کے اسٹیشن پر پتنگیں بنانے کے حوالے سے تجربات کیے اور بعد میں ایک جیٹ انجن کے ڈیزائن، اور ایک پروپیلر پر کام کیا۔ (70)

ولگنسٹائن نے ابتدا میں فلسفے کی کوئی رسمی تعلیم حاصل نہ کی۔ جوانی میں اس نے شوپنہاور کو پڑھا۔ اس نے ماہرین طبیعیات Ludwig Boltzmann اور Heinrich Hertz سے ابتدائی دانشورانہ اثرات قبول کیے۔ ان دونوں نے فلسفے اور سائنس پر لکھا اور سوچ اور حقیقت کے مابین تعلق کے حوالے سے ان کے خیالات کی گونج ٹریکٹیس میں کچھ جگہوں پر سنائی دیتی۔ مائچسٹر میں ریسرچ سٹوڈنٹ کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے ریاضی اور اس کی مبادیات میں اس کی دلچسپی خاصی بڑھی اور اس موضوع پر اس نے لیکچروں اور سیمیناروں میں شرکت کی۔ اس نے برٹرینڈ رسل کی کتاب The Principles of Mathematics اور گوٹلوب فریگر کی کتاب Grundgesetze der Arithmetik (علم حساب کے بنیادی قوانین) کا گہرا مطالعہ کیا۔ ان دونوں کتابوں کا تعلق ریاضی کو، منطق کے بنیادی اور عیاں بالذات (self-evident) اصولوں سے اخذ کرنے سے ہے۔ قاضی جاوید لکھتے ہیں:

"رسل اور وائٹ ہیڈ کی مشترکہ کاوش 'اصول ریاضی' کی اشاعت سے جدید منطق اور اس کے حوالے سے فلسفے میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ یہ کاوش ارسطاطالیسی منطق (Aristotelian logic) کو زیادہ سائنٹفک منطقی نظام سے بدلنے کی ایک کوشش تھی جسے ریاضیاتی علامتوں میں پیش کیا گیا تھا۔ یہی وہ نئی روایت تھی۔ ولگنسٹائن جس کی پیروی کر رہا تھا۔" (71)

ولگنسٹائن نے ۱۹۰۹ء میں رسل اور فریگر کے زیر غور، ایک مسئلے کا حل تجویز کیا اور اسے رسل کے ایک دوست کو بھیج دیا۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے جرمنی میں فریگر سے ملاقات کی۔ فریگر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ

کیمبرج جاکر رسل کے ساتھ، ریاضی کی مبادیات کا مطالعہ کرے۔ اگلے دو سال رسل اور وٹکنسٹائن دونوں کی دانشورانہ زندگی کے لیے بہت اہم ثابت ہوئے۔ (72)

رسل اور فریگر کی تحریروں کے ذریعے ریاضی کی مبادیات کا مطالعہ فلسفے میں اس کی دلچسپی کا محرک ثابت ہوا۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک کا دورانیہ اس کی زندگی کا فیصلہ کن مرحلہ تھا جب اس نے کیمبرج یونیورسٹی میں برٹریڈ رسل کے ساتھ زبان اور منطق کے مسائل پر بھرپور کام کیا جس کا نتیجہ اس کی شاہکار تصنیف Tractatus کی صورت میں سامنے آیا۔ کیمبرج سے شروع ہونے والی اس تصنیف کی تکمیل پہلی جنگ عظیم کے دوران ہوئی جب وہ ایک سپاہی کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھا۔

کیمبرج میں رسل کے ساتھ کام کرتے ہوئے اس نے جن لوگوں کے ساتھ پائدار دوستانہ مراسم استوار کیے ان میں دو اہم نام نامور فلسفی پروفیسر جی ای مور اور ماہر معاشیات J. M. Keynes کے ہیں۔

اس کے ایک سے زیادہ ہرنیا (hernia) کے آپریشن ہو چکے تھے اس لیے اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کی آغاز پر اسے طبی بنیادوں پر فوجی خدمات سے استثنیٰ دے دیا گیا۔ تاہم اسے فرض کی ادائیگی کا شدید احساس تھا اور پختہ یقین تھا کہ اسے انہیں مشکلات سے گزرنا چاہیے جن سے دوسرے گزر رہے ہیں، اس لیے وہ آسٹریو-ہنگیرین فوج میں رضاکارانہ خدمات سرانجام دینے میں کامیاب ہو گیا۔ (73)

وٹکنسٹائن کی ستر صفحات پر مشتمل کتاب Tractatus Logico-Philosophicus بیسویں صدی کے فلسفے کے کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں چھپنے والی اس کتاب نے کیمبرج اور ویانا کے فلسفیانہ منظر نامے کو یک دم متاثر کیا اور فلسفے کے میدان میں ایک بہت ہی گہرے اور شاندار مفکر کے طور پر اس کا لوہا منوایا۔ ۱۹۱۸ء میں ۲۹ سال کی عمر میں اس کتاب کو مکمل کرنے کے بعد وٹکنسٹائن نے دس سال تک فلسفے پر کچھ نہ لکھا۔ اس کے پاس فلسفے پر لکھنے کے لئے کوئی داخلی تحریک نہ تھی اور اس کی فکر کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں جب وہ دوبارہ فلسفے کی طرف واپس آیا تو اس نے کانفرنس کے لیے لکھا جانے والا ایک مختصر مقالہ، رسالے Proceedings of the Aristotelian Society میں "Some Remarks on Logical Form" کے عنوان سے چھپوایا۔ اس کے بعد اس نے اپنی زندگی میں کچھ اور نہ چھپوایا اور کیمبرج

میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھتا تاہم ۱۹۲۹ء سے ۱۹۵۱ء تک اس نے فلسفے سے متعلق ہزاروں صفحات پر مشتمل مسودات اور ٹائپ سکریپس پر کام جاری رکھا، جو اس کی موت کے بعد چھپا۔ (74)

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء کے دوران وٹکنسٹائن پروفیسری سے وقفہ لے کر جنگی کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران اس نے ٹریکٹس کے بہت سے نظریات کو ترک کیا اور زبان اور معنی سے متعلق بہت سے نئے تصورات، اور ایک نئے طریقہ کار کو پروان چڑھایا جس کے ذریعے فلسفیانہ فہم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس عرصے کے دوران اس نے فلسفہ نفس اور ریاضیاتی فلسفے پر کافی کچھ تحریر کیا۔

۱۹۴۷ء میں "Philosophical Investigations" پر کام مکمل ہونے کے بعد اس نے پروفیسر شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۴۹ء میں اس نے اس ٹائپ سکریپٹ پر کام مکمل کیا جو "Philosophical Investigations" میں "Philosophy of Psychology – A Fragment" کے نام سے چھپا۔ کتاب کے پہلے تین ایڈیشنوں میں اس حصے کا نام Philosophical Investigations، پارٹ ۲، تھا۔ اگرچہ اس کی زندگی کے آخری سال میں اس کی صحت اچھی نہ تھی تاہم اس نے آخری وقت تک فلسفے پر کام جاری رکھا۔

وٹکنسٹائن نے ٹریکٹس کی اشاعت کے بعد اپنے خیالات کے ارتقا کو کتابی صورت میں لانے کے لیے ابتدائی نسخے تیار کیے تاہم وہ اپنے مسودات سے کبھی بھی اس حد تک مطمئن نہ ہوا کہ انہیں اپنی زندگی میں چھپنے کی اجازت دے سکے۔ وہ اپنی تحریروں میں مسلسل کانٹ چھانٹ، ترامیم اور اضافے کرتا رہا اور اپنے کام کی اشاعت کے لئے اس نے ادبی وصی (literary executors) مقرر کیے جنہوں نے اس کی وصیت کی تکمیل کرتے ہوئے، اس کی موت کے بعد، اس کے کام کو، ایڈیٹنگ کے بعد کتابی صورت میں چھپا۔ وٹکنسٹائن کی نوٹ بکس اور ٹائپ سکریپس وقتاً فوقتاً چھپتے رہے اور اب یہ سارے کے سارے الیکٹرانک کتابوں کی صورت میں دستیاب ہیں۔

"Philosophical Investigations" وٹکنسٹائن کا دوسرا بڑا اور اہم کام تھا جو اس کی موت کے بعد ۱۹۵۳ء میں چھپا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد وٹکنسٹائن کا جو کام کتابی صورت میں چھپا اس میں سے کچھ اس کے

شاگردوں کے، اس کے لیکچر کے دوران لیے گئے نوٹس پر مشتمل ہے یا وہ تحریریں ہیں جو خود اس نے اپنے شاگردوں کو لکھوائیں۔ وہ ان تحریروں کی عام اشاعت کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا اور اس کے نزدیک یہ تحریریں ایک جاری عمل کے مختلف مراحل تھے تاہم یہ تحریریں اس حوالے سے اہم ہیں کہ یہ "Philosophical Investigations" میں بیان کیے گئے مختلف تصورات پر روشنی ڈالتی ہیں اور ان موضوعات کے بارے میں وٹگنسٹائن کے خیالات کا پتہ دیتی ہیں، جن کا اس کتاب میں براہ راست ذکر نہیں ہوا۔ (75)

وٹگنسٹائن کے فلسفے کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کے فلسفے کا پہلا دور آغاز سے لے کر ٹریکٹس کی اشاعت تک کا ہے۔ ٹریکٹس اس کے دورِ اول کے فلسفے کی نمائندہ کتاب ہے۔ ٹریکٹس کی اشاعت کے بعد اس کے خیالات میں بتدریج تبدیلی آنا شروع ہوئی جس کے نتیجے میں ایک ایسا فلسفیانہ نکتہ نظر سامنے آیا جو اس کے دوسرے دور کا فلسفہ کہلاتا ہے۔ اس کے دورِ ثانی کے فلسفے میں دورِ اول کے فلسفے کے بہت سے خیالات کو مسترد کرتے ہوئے ایک نئے فلسفیانہ نکتہ نظر کی تشکیل کی گئی ہے۔ "Philosophical Investigations" وٹگنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفے کی نمائندہ کتاب ہے جو اس کی موت کے بعد ۱۹۵۳ء میں چھپی۔ تیس سال پہلے چھپنے والی کتاب ٹریکٹس کی طرح اس کتاب کو بھی اشاعت کے فوراً بعد ہی فلسفے کی ایک شاہکار تصنیف تسلیم کیا گیا۔ "Philosophical Investigations" کی اشاعت کے بعد عمومی تاثر یہی تھا کہ اس کتاب کا فلسفہ ٹریکٹس کے فلسفے سے کافی مختلف اور بالکل متضاد ہے تاہم وٹگنسٹائن کی باقی تحریروں کی اشاعت اور کچھ وقت گزر جانے کے بعد ناقدین پر یہ بات واضح ہونا شروع ہوئی کہ وٹگنسٹائن کے پہلے اور دوسرے دور کے فلسفے کے درمیان تعلق اس حوالے سے کافی پیچیدہ ہے کہ دونوں ادوار کے فلسفے کے کچھ پہلوؤں میں ایک نمایاں تسلسل کے ساتھ ساتھ کچھ پہلوؤں میں نمایاں اختلاف اور عدم تسلسل بھی ہے۔ William Child وٹگنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفے کے ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وٹگنسٹائن کی وہ تحریریں جو ۱۹۲۹ء سے ۱۹۵۱ء کے درمیان لکھی گئیں،

ایک وحدت اور یکسانیت کا حامل 'بعد کا فلسفہ' پیش نہیں کرتیں۔

"Philosophical Investigations" میں پیش کیے گئے خیالات،

وٹگنسٹائن کے فلسفے کی جانب لوٹنے کے بعد، نمایاں تبدیلیوں کے ساتھ

ساتھ بتدریج تشکیل پائے۔ کچھ مصنفین وٹکنسٹائن کی ۱۹۳۰ء کی دہائی کے
 اوائل کی تحریروں سے اس کے فلسفیانہ کام میں ایک الگ 'درمیانی دور' کی
 شناخت کرتے ہیں۔ دوسرے، وٹکنسٹائن کی آخری تحریروں کو۔ وہ کام جو
 اس نے "Philosophical Investigations" کو ترتیب دینے کے
 بعد کیا۔ نئے منفرد خیالات کی صورت گری کرتا دیکھتے ہیں۔" (76)

ٹریکٹس میں وٹکنسٹائن نے زبان کی ماہیت کی عمومی داستان بیان کی ہے۔ اس کے خیال میں ایک
 قضیے کے معنی کا معاملہ اس کے سچا ہونے کی صورت حال سے متعلق ہے۔ عمومی زبان کے قضیات، ابتدائی
 قضیات کے صدیقی تفاعل کے طور پر قابل تجزیہ ہیں اور ابتدائی قضیات مکمل طور پر اسما پر مشتمل ہیں جو اشیا کی
 نمائندگی کا کام کرتے ہیں۔

وٹکنسٹائن نے ۱۹۲۹ء میں فلسفے کی طرف واپس لوٹنے کے بعد اپنے ان ابتدائی خیالات کے تمام
 پہلوؤں کو مسترد کیا۔ اس نے اس خیال کو ترک کر دیا کہ فلسفے کو، عمومی قضیات کا تجزیہ، زیادہ بنیادی قضیات
 کے صدیقی تفاعل میں کرنا چاہیے۔ اس کا اب بھی یہ نقطہ نظر تھا کہ فلسفے کا مقصد عمومی قضیات کے معنی کے
 بارے میں واضح فہم حاصل کرنا ہے اور اس عمل کے دوران یہ انکشاف ہو گا کہ، فلسفے کے روایتی سوالات بے
 معنی اور الجھاؤ کا شکار ہیں۔ لیکن اب واضح فہم تک رسائی ایسی تفہیم کے حصول سے ہوگی جو الفاظ کے استعمال
 کے مابین ان روابط کو دیکھ سکتی ہے جو الفاظ کے عمومی استعمال کی سطح کے نیچے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ وٹکنسٹائن اب
 الفاظ اور جملوں کی اقسام کے تنوع اور زبان کے استعمالات کے تنوع پر زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک کچھ الفاظ
 اشیا کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن بہت سے نہیں بھی کرتے اور زبان کے بہت سے متنوع استعمال ہیں جن میں
 سے چند ایک ہی ایسے ہیں جن میں سچ اور جھوٹ کا عمل دخل ہوتا ہے۔ (77)

iii - "Philosophical Investigations" کا تعارف

"Philosophical Investigations" وٹکنسٹائن کا دوسرا بڑا کام ہے جو ۱۹۵۳ء میں اس کی
 موت کے بعد شائع ہوا۔ اس کتاب کے پہلے تین معیاری ایڈیشن بالترتیب ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۸ء اور ۲۰۰۱ء

(Blackwell کے مطبوعہ ایڈیشن) میں شائع ہوئے۔ یہ تینوں ایڈیشن دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصے کا نام Philosophical Investigations Part I اور دوسرے حصے کا نام Philosophical Investigations Part II رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا جس میں پہلے حصے کا نام Philosophical Investigations اور دوسرے حصے کا نام Philosophy of Psychology A Fragment – رکھا گیا ہے۔ اس مقالے میں "Philosophical Investigations" کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کی شناخت کے لیے کتاب کے چوتھے ایڈیشن ہی کا استعمال ہو گا۔ کتاب کا پہلا حصہ ونگنسٹائن کے ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کے کام پر مشتمل ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ یعنی Philosophy of Psychology – A Fragment ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک کیے جانے والے کام میں سے، ونگنسٹائن کا کیا ہوا انتخاب ہے۔

"Philosophical Investigations" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں چھپا جسے G. E. M. Anscombe نے ترجمہ کیا۔ G. E. M. Anscombe اور Rush Rhees نے اسے مرتب کیا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۸ء میں چھپا جس میں اس کے جرمن اور انگریزی متن میں اغلاط کی درستی کے ساتھ ساتھ انگریزی متن میں کچھ ترامیم بھی کی گئیں۔ G. E. M. Anscombe کی وفات کے بعد اس کا تیسرا ایڈیشن، پچاس سالہ اپنی ورسری ایڈیشن کے طور پر Nicholas Denyer نے ۲۰۰۳ء میں چھاپا جس میں Anscombe کی طرف سے کتاب کے ماضی میں چھپنے والے ترجمے کے متن کی کاپی میں کی گئی چند مزید ترامیم کو شامل کیا گیا۔ تیسرے ایڈیشن میں صفحہ نمبر کی ترتیب پہلے دو ایڈیشنوں کے مطابق نہیں ہے۔ (78)

کتاب کے چوتھے ایڈیشن کے دیباچے میں مدیران نے G. E. M. Anscombe کے انگریزی ترجمے کے بارے میں لکھا ہے:

"Anscombe کا ترجمہ ایک متاثر کن کامیابی تھی۔ انہوں نے ونگنسٹائن کے منفرد، اکثر عام بول چال کے، اسلوب کے لیے انگریزی ہم قدر ایجاد کیا۔ یہ زبردست ہنرمندی کا مظاہرہ تھا جس کے لیے انہیں ونگنسٹائن کے طرز بیان کی انفرادیت کے لیے نہ صرف انگریزی ہم قدر بلکہ ایک انگریزی

آہنگ بھی ڈھونڈنا پڑا جو وٹکنسٹائن کی محتاط انداز میں تخلیق کی گئی نثر کی امتیازی صفات کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ ان کی کامیابی غیر متنازع ہے۔"

(79)

ساری کوششوں کے باوجود کتاب کے پہلے تین ایڈیشنوں کے جرمن متن اور اس کے انگریزی ترجمے میں مختلف قسم کی اغلاط پائی گئیں جنہیں دور کرنے کے لیے وٹکنسٹائن کی ادارتی مشاورتی کمیٹی نے چوتھے ایڈیشن کی تیاری پر اتفاق کیا۔ تاہم Anscombe کے ترجمے کی عمدگی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مکمل طور پر نیا ترجمہ کرنے کے بجائے Anscombe کے ترجمے کو بنیاد بنا کر اسی کو مزید بہتر کر کے، اس کی غلطیوں اور غلط فیصلوں کی اصلاح کے بعد ایک ترمیم شدہ ترجمہ سامنے لانا چاہیے۔ نئے ایڈیشن کی تیاری اس لیے بھی اہم تھی کہ وٹکنسٹائن کی باقیات میں سے کچھ اہم اشیا کئی عشروں بعد سامنے آئیں، اس لیے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ان کی دستیابی اور وسیع تر مطالعے سے پہلے چھپنے والے Anscombe-Rhees ایڈیشن میں موجود بہت سی غلطیوں کی شناخت کرنا ممکن نہ تھا۔ (80)

کتاب کے چوتھے ایڈیشن میں کتاب کی دو حصوں میں تقسیم کو ختم کر کے پہلے حصے کو Philosophical Investigations اور دوسرے حصے کو Philosophy of Psychology – A Fragment کا نام دے دیا گیا ہے۔

و۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: منتخب اردو تراجم

و توضیحات کا تعارف

i۔ "جدید مغربی فلسفہ" کا مختصر تعارف

"جدید مغربی فلسفہ" قاضی جاوید کی تصنیف ہے جو فروری ۱۹۹۷ء میں تخلیقات لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مصنف نے جدید مغربی فلسفے کا تعارف کروایا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں سی اے قادر کتاب کے موضوع کا تعارف کراتے ہوئے بتاتے ہیں کہ تحلیلی فلسفہ موجودہ عہد کا

جدید ترین فلسفہ ہے اور اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس میں قاضی جاوید نے اس خاصے دقیق موضوع کو سادگی، عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ (81)

قاضی جاوید نے کتاب کے ابتدائے میں واضح کیا ہے کہ بیسویں صدی میں زندگی کی صورت حال میں تبدیلی کا عمل تیز تر ہونے سے مادی حالات اور طبعی علوم میں جو عظیم اور ہمہ گیر انقلاب برپا ہوا فلسفہ بھی اس کی زد میں آیا۔ فلسفہ جو ماضی میں کائنات کے تمام مسائل کے حل کا دعویٰ کرتا تھا اب یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا کہ وہ لسانی مغالطوں کی وجہ سے جنم لیتا ہے اور زبان کا درست فہم تمام فلسفیانہ مسائل کو خود بخود ختم کر دے گا۔ باقی ماندہ مسائل سائنسی طریقے سے حل ہوں گے۔ فلسفہ سائنس کی طرح کائناتی حقائق کی فراہمی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اس کا کام زبان اور سائنسی طریقہ کار کا منطقی تجزیہ اور وضاحت ہے۔ اس بنا پر بیسویں صدی کو "تجزیہ کا عہد" اور جدید اکیڈمک فلسفے کو تحلیلی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں تحلیلی فلسفے کی تاریخ اور اس کے بنیادی تصورات کو ممکن حد تک آسان فہم بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (82)

کتاب آٹھ مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلے مضمون کا عنوان "تحلیلی فلسفہ: تاریخی پس منظر" ہے۔ اس کے بعد آنے والے مضامین کے عنوانات بالترتیب "جارج ایڈورڈ مور"، "برٹریڈ رسل"، "وٹکنسٹائن"، "منطقی اثباتیت"، "وحدت سائنس"، "وٹکنسٹائن: دوسرا دور" اور "لسانیاتی تحلیل" ہیں۔ قاضی جاوید نے ان مضامین کے لیے جدید مغربی فلسفے کی نمایاں شخصیات کی طبع زاد تحریروں کے علاوہ اس موضوع پر انگریزی میں لکھی گئی تحقیقی و تنقیدی تحریروں سے بھی استفادہ کیا ہے جن کے حوالے مضامین کے آخر میں موجود ہیں۔ قاضی جاوید نے انگریزی ماخذات سے جو اقتباسات درج کیے ہیں انہیں انگریزی میں لکھنے کے بجائے اردو ترجمے کی صورت میں لکھا ہے۔ زیادہ تر کتابوں کے نام اور مضامین کے عنوانات کو انگریزی میں لکھنے کے بجائے اردو میں ترجمہ کر کے لکھا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب بیسویں صدی کے مغربی تحلیلی فلسفے کے بارے میں لکھی گئی انگریزی زبان کی تحریروں میں پیش کیے گئے افکار پر مشتمل ہے جنہیں قاضی جاوید نے اردو تراجم اور توضیحات کی صورت میں اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

ii-"تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" کا مختصر تعارف

"تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" قاضی قیصر الاسلام کی تصنیف ہے جو ۲۰۰۵ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی سے چھپی۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں مغربی فلسفے کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں چھپی۔ کتاب کی جلد اول میں قدیم یونان سے لے کر انیسویں صدی تک کے مغربی فلسفے کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی دوسری جلد "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں منطقی اثباتیت سے ساختیات اور رد تشکیلی فلسفے تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی ۷۶۸ صفحات پر مشتمل دوسری جلد کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابواب کے نام بالترتیب "منطقی ایجابیت"، "فلسفہ"، "نومدرسیت اور نو تھامسی فلسفہ"، "مظہریات"، "وجودیت"، "وجودی وارداتیں"، "وجودی فکر سے متعلق بعض اہم فلاسفہ"، "وجودیت اور ادب" اور "مرکز سے محیط تک" رکھے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں فرہنگ اصطلاحات اور کتابیات کی فہرست ہے۔ فرہنگ اصطلاحات میں کتاب میں زیر بحث آنے والے موضوعات سے متعلق اہم انگریزی اصطلاحات اور ان کے اردو مترادفات درج ہیں۔

قاضی قیصر الاسلام کا شمار اردو میں فلسفے کے ان اہم ترین مصنفین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے تراجم اور تحریروں کے ذریعے فلسفے کے جدید مکاتب فکر اور معاصر رجحانات کو اردو میں متعارف کرایا۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ قدیم فلسفے پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفے کے جدید انداز، اسلوب اور نظریات سے بھی آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنے کام کے ذریعے فلسفے کی تاریخ اور اس کے بنیادی تصورات اور نظریات کو بیان کیا ہے۔ قاضی قیصر الاسلام کی فلسفہ طرازی کے بارے میں ڈاکٹر وحید عشرت لکھتے ہیں:

"... فلسفے کے ادق، مشکل اور گنجلک مسائل کو جس ادبی اسلوب سے انہوں نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہ قابل صد ستائش ہے۔ آج کے دور میں کتنے لوگ ہیں جو جدید فلسفے کو سمجھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں جو اس کو بیان کرنے پر قادر ہیں۔ قاضی صاحب کا یہی امتیاز نہیں کہ انہوں نے جدید فلسفے کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ ان کا یہ بھی افتخار ہے کہ انہوں نے جدید فلسفے کے ابلاغ میں منفرد مقام بھی حاصل کیا۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اردو

زبان میں دقیق سائنسی اور فلسفیانہ مباحث بیان نہیں ہو سکتے، قاضی صاحب نے اپنی شانہ روز محنت سے انہیں بتایا ہے کہ اردو زبان میں ہر طرح کے مضامین کا ابلاغ ممکن ہے۔ قاضی صاحب اس لحاظ سے اردو زبان کے بھی محسن ہیں کہ انہوں نے اسے فلسفہ طرازی کے لئے منتخب کیا اور اپنی علمی بصیرت سے اسے مالا مال کر دیا۔ قاضی قیصر الاسلام کا ایک اور اہم علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فلسفے کی اصطلاحوں کو اردو کا جامہ پہنایا اور اس میں اپنی جودت طبع اور جدت طرازی سے یہ کمال پیدا کیا کہ انہیں قابل تفہیم بنایا۔" (83)

اس کتاب میں قاضی قیصر الاسلام نے "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے ساتھ ساتھ وگنسسٹائن کے مختصر حالات زندگی، عصر حاضر کی علمی فکر پر اس کے اثرات اور اس کے دورِ اول کے افکار کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ کتاب میں "منطقی ایجابیت" اور "بیسویں صدی کا تحلیلی فلسفہ" کے عنوانات کے تحت دو الگ الگ ابواب قائم کیے گئے ہیں جن میں ان موضوعات کے تعارف اور پس منظر کے ساتھ ساتھ ان سے وابستہ اہم شخصیات کے افکار کا احاطہ بھی اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کسی خلا میں معلق نظر نہیں آتے بلکہ قاری کو ان کے سیاق و سباق اور پیش منظر اور پس منظر کا بھی کچھ نہ کچھ علم ہو جاتا ہے، جو ان کی بہتر تفہیم میں معاون ہوتا ہے۔

حوالہ جات

1. Bac, L. H., and D. T. Thu Hang. "From Language to Postmodern Language Game Theory". *Mediterranean Journal of Social Sciences*, vol. 7, no. 6, Nov. 2016, p. 319, 30 April 2021. <https://www.richtmann.org/journal/index.php/mjss/article/view/9603>.
2. Chesterman, Andrew. "Consilience in Translation Studies." *Revista Canaria de Estudios Ingleses* 51 (2005): 19-32. pdf. 8 June 2020. <[https://riull.ull.es/xmlui/bitstream/handle/915/18840/RCEI_51_\(%202005\)_02.pdf?sequence=1](https://riull.ull.es/xmlui/bitstream/handle/915/18840/RCEI_51_(%202005)_02.pdf?sequence=1)>.
۳. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۲۱، ۲۲
4. Bac, L. H., and D. T. Thu Hang. "From Language to Postmodern Language Game Theory". p. 319, 30 April 2021.
5. Owji, Zohre. "Translation Strategies: A Review and Comparison of Theories." *Translation Journal* 17.1 (2013). 29 March 2021. <http://www.translationjournal.net/journal/63theory.htm>
6. Munday, Jermey. *Introducing Translation Studies*. 4th. London and New York: Routledge, 2016. p304
7. Bassnett, Susan. *Translation Studies*. 3rd. London and New York: Routledge, 2002. ebook. p6
8. ibid., p5
9. Munday, Jermey. *Introducing Translation Studies*. p27
۱۰. مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، فن ترجمہ کے اصول و مبادیات، (مضمون) مشمولہ: فن ترجمہ کاری، مرتبہ صفدر رشید، پورب اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۳

۱۱. فاخرہ نورین، ادبی متن کا انگریزی سے اردو ترجمہ: فن، معیار اور مسائل (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو)، نیشنل یونیورسٹی آف مارڈن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۴
۱۲. ظہور الدین، پروفیسر، فن ترجمہ نگاری، (مضمون) مشمولہ: فن ترجمہ کاری، مرتبہ صفدر رشید، پورب اکڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۲-۱۳۳
۱۳. فاخرہ نورین، ادبی متن کا انگریزی سے اردو ترجمہ: فن، معیار اور مسائل، ص ۱۴
14. Munday, Jermey. *Introducing Translation Studies*. p13-14
15. Ibid., p43
16. Ibid., p91
۱۷. جمیل جالبی، ترجمہ کے مسائل، (مضمون) مشمولہ: تراجم کے مباحث، مرتبہ محمد ابوبکر فاروقی، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۶ء، ص ۲۲۱
۱۸. ایضاً، ص ۲۲۰
19. Bassnett, Susan. *Translation Studies*. p35
20. Ibid., p46
21. Murtisari, Elisabet Titik. "Explicitation in Translation Studies: The journey of an elusive concept." *Translation & Interpreting* 8.2 (2016). PDF. 30 March 2021. P.64. <http://www.trans-int.org/index.php/transint/article/view/531/264>
22. Al-Anbaqi, Nada Nizar. The Role of Explicitation Strategy in the Arabic Translated Texts : Evidence from Faulkner's 'A Rose for Emily'. Middle East University for Graduate Studies Amman, MA Thesis. 2009. PDF. 30 March 2021. P.8. https://meu.edu.jo/libraryTheses/586cbc4960045_1.pdf
23. Al-Anbaqi, Nada Nizar. The Role of Explicitation Strategy in the Arabic Translated Texts : Evidence from Faulkner's 'A Rose for Emily'. P.viii to ix

24. Murtisari, Elisabet Titik. "Explicitation in Translation Studies: The journey of an elusive concept, P.67 to 70
 25. Munday, Jerney. *Introducing Translation Studies*.p14-15
 26. Ibid.,p15-16
 27. Ibid.,p16-19
 28. Ibid.,p21-22
 29. Ibid.,p22
 30. Ibid.,p22-24
 31. Ibid.,p25
 32. Ibid.,p26
 33. Ibid.,p55
 34. Ibid.,p83-84
 35. Ibid.,p109
 36. Ibid.,p138
 37. Ibid.,p165
 38. Ibid.,p194
 39. Ibid.,p194
 40. Ibid.,p246
 41. Ibid.,p271-272
 42. Ibid.,p299-300
 43. Chesterman, Andrew. "Consilience in Translation Studies." P. 19-32.
۴۴. جمیل جالبی، ترجمے کے مسائل، (مضمون) مشمولہ: تراجم کے مباحث، مرتبہ محمد ابو بکر فاروقی، ص ۲۲۱-۲۲۲
۴۵. ایضاً، ص ۲۲۱
۴۶. قاضی جاوید. جدید مغربی فلسفہ: تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱

۴۷. ایضاً، ص ۱۴ تا ۱۶
۴۸. ایضاً، ص ۲۱
۴۹. ایضاً، ص ۲۱، ۲۲
۵۰. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷
۵۱. ایضاً، ص ۳۸
۵۲. ایضاً، ص ۱
۵۳. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۸۷
۵۴. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، ص ۱۳
۵۵. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۹۸
۵۶. ایضاً، ص ۱۲۶
۵۷. ایضاً، ص ۱۲۷، ۱۲۶
۵۸. ایضاً، ص ۱۲۷
۵۹. ایضاً، ص ۱۲۸
۶۰. ایضاً، ص ۱۲۹، ۱۲۸
۶۱. ایضاً، ص ۱۳۱، ۱۳۰
۶۲. ایضاً، ص ۱۳۱ تا ۱۴۲
۶۳. ایضاً، ص ۱۴۳
۶۴. ایضاً، ص ۱۴۴، ۱۴۳
۶۵. ایضاً، ص ۷۳
66. Monk, Ray. *Ludwig Wittgenstein: The Duty of Genius*. London: Vintage Digital, 2012. ebook.ch. 1
67. Monk, Ray. *WITTGENSTEIN*. London: Granta Books, 2005. PP. 1-2
68. Ibid., PP. 2
69. Monk, Ray. *Ludwig Wittgenstein: The Duty of Genius*. ebook.ch. 25

70. Child, William. *Wittgenstein*. London and New York: Routledge, 2011. pp.3

۷۱. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۷۵

72. Child, William. *Wittgenstein*. pp.4
73. Ibid., pp.6
74. Ibid., pp.1
75. Ibid., pp.2
76. Ibid., pp.2
77. Ibid., pp.104
78. Wittgenstein, Ludwig. *Philosophical investigations*. Trans. P. M. S. Hacker and Joachim Schulte G. E. M. Anscombe. 4th. Oxford: Blackwell, 2009. p.viii
79. Wittgenstein, Ludwig. *Philosophical investigations*. p.viii
80. Ibid., p.viii

۸۱. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۷۹

۸۲. ایضاً، ص ۱۱

۸۳. وحید عشرت، ڈاکٹر، (دیباچہ) فلسفے کے جدید نظریات، از قاضی قیصر الاسلام، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور،

۱۹۸۸ء، ص ۹

باب دوم:

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث بحوالہ اردو

تراجم و توضیحات

الف - "جدید مغربی فلسفہ" میں "Philosophical Investigations" کے مشمولہ لسانی مباحث

قاضی جاوید نے اپنی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو "وٹگنسٹائن: دوسرا دور" کے عنوان کے تحت لکھے گئے مضمون میں اردو میں منتقل کیا ہے۔
(1) انہوں نے اس مضمون میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو بیان کرتے ہوئے وٹگنسٹائن کے پہلے دور کے کچھ تصورات کا بھی ذکر کیا ہے تاکہ وٹگنسٹائن کے فکری ارتقا کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔

قاضی جاوید اس مضمون میں وٹگنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفے کا تعارف کرواتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "منطقی فلسفے کا رسالہ" (Tractatus Logico-Philosophicus) میں وٹگنسٹائن نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فلسفے کے مسائل کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا ہے اور فلسفے کی دنیا سے علیحدگی اختیار کر لی تاہم ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ اس نے نئے سرے سے فلسفے میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ۳۴-۱۹۳۰ء کے دوران اس کی ذہنی دنیا بالکل سے دوچار ہوئی اور اس نے خود ہی اپنے بہت سے نظریے مسترد کر دیے۔ پروفیسر مور کے بقول ۱۹۲۹ء میں اپنا مقالہ لکھتے ہوئے اس کے ذہن میں کئی نئے تصورات پیدا ہو رہے تھے جو ابھی واضح نہ تھے۔ بعد میں ان تصورات میں وضاحت پیدا ہوتی گئی اور انہوں نے پرانے تصورات کی جگہ لے لی۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء کے بعد وٹکنسٹائن نے ایک نیا نقطہ نظر اختیار کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کے "رسالہ" (Tractatus Logico-Philosophicus) کے بنیادی نظریات بالکل غلط تھے۔ ہمارے لئے یہ اہم ہے کہ ہم اس کے دوسرے دور کے فلسفے کا ذکر "رسالہ" کے نظریات پر تنقید سے شروع کریں کیونکہ اسی تنقید کے نتیجے میں یہ فلسفہ پیدا ہوا ہے۔ وٹکنسٹائن نے خود "فلسفیانہ تحقیقات" ("Philosophical Investigations") کے دیباچے میں لکھا ہے کہ "رسالہ" کے پس منظر میں دیکھنے سے اس کتاب کا بہتر فہم حاصل ہو سکتا ہے۔ قاضی جاوید لکھتے:

"منطقی فلسفے کا رسالہ" میں یہ فرض کیا گیا تھا کہ زبان کا واحد مقصد واقعات کو بیان کرنا ہے۔ زبان جملوں پر مشتمل ہے اور جملے ناموں پر مبنی ہیں۔ ناموں کے معنی ان اشیاء سے حاصل ہوتے ہیں جنہیں وہ ظاہر کرتے ہیں۔ قضیات کی سچائی کا دار و مدار واقعات کی درست عکاسی کرنے پر ہے نیز یہ کہ زبان کی سادہ متعین ترکیب موجود ہے، جسے ریاضیاتی منطق کے فارمولا میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ زبان کی کلی صورت موجود ہے جیسے عدد کی کلی صورت ہے، جو تمام اعداد میں مشترک ہے۔" (2)

وٹکنسٹائن دوسرے دور کے فلسفے میں ان سب مفروضوں کو مسترد کرتا ہے۔ دوسرے دور میں اس کا زبان کا تعقل زیادہ پک دار، پیچیدہ اور نتائجیتی ہے۔ اب اس کے نزدیک زبان کا کوئی ایک مخصوص استعمال نہیں ہے بلکہ الفاظ بے شمار مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے کسی شے کا بیان، دعویٰ، سوال، حکم، رپورٹ، دعا، شکریہ، مبارک، عبادت اور طنز و مزاح وغیرہ۔ زبان کا کوئی جوہر موجود نہیں ہے۔ زبان کے ان سارے اطلاقات میں کوئی مشترک شے نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک اطلاق زندگی کی صورت یا فعالیت کا حصہ ہے اور یہ ضروری ہے کہ ایک اطلاق کو اس کے مخصوص کردار کے نمونے ہی میں دیکھا جائے۔ "فلسفیانہ تحقیقات" میں سختی کے ساتھ اس تصور کو مسترد کیا گیا کہ ہر قضیہ اپنے ساتھ کل زبان کو لاتا ہے۔ لسانی کھیل زبان کا ایک معمولی سا جزو ہے اور ایک جملے میں کسی لسانی کھیل کو پہلے سے فرض کیا جاتا ہے۔ قاضی جاوید کے بقول وٹکنسٹائن نے لسانی کھیل کی مثال کچھ اس طرح پیش کی ہے:

"فرض کیجئے ایک مستری اور ایک مزدور کسی عمارت کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ مستری نے مزدور کو اینٹ لانا سکھا دیا ہے، جب بھی وہ (مستری) اینٹ "کہتا ہے اگر مزدور اینٹ کا نام سنتے ہی اینٹ لے آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے "لسانی کھیل" سیکھ لیا ہے۔ چنانچہ لسانی کھیل وہ کل ہے جو زبان اور ان اعمال پر مشتمل ہے جن سے یہ منسلک ہے۔" (3)

اس کے نزدیک ہر لسانی کھیل اپنی ذات میں کامل ہے اور ہم اس کو ایک گروہ یا قبیلے کی زبان کہہ سکتے ہیں تاہم اگر ہم اسے نامکمل کہیں تو دراصل ہم اپنی زیادہ پیچیدہ زبان سے اس کا موازنہ کر رہے ہوں گے۔ بہت کم سماجی حالات میں استعمال ہونے کی وجہ سے یہ زبان ہماری روزمرہ زبان کی نسبت بہت سادہ ہے۔ اگرچہ یہ زبان سادہ ہے لیکن اس میں الفاظ فقط نام نہیں ہیں۔ صرف بلڈنگ میٹریل کا نام جاننے سے مزدور اس لسانی کھیل کو نہیں سیکھ سکتا جس کا اوپر تذکرہ ہوا۔ ایسا مزدور جو اس لسانی کھیل کو نہیں سمجھتا اور صرف یہ جانتا ہے کہ اینٹ کس شے کا نام ہے، وہ مستری کی جانب سے لفظ "اینٹ" سننے پر یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ اسے اینٹ لانی ہے۔ اس لسانی کھیل میں "اینٹ" کا مفہوم بلڈنگ میٹریل سے زیادہ ہے۔ صرف الفاظ کے معنی جاننے سے لسانی کھیل کو نہیں سیکھا جاسکتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی زبان کے اسما کا علم حاصل کر لینا اس بات کے مساوی نہیں ہے کہ ہم اسے بولنے کے قابل بھی ہو گئے ہیں۔ ہم زبان اس وقت سیکھتے ہیں جب ہم اس زبان کی تشکیل کرنے والے لسانی کھیلوں کو مناسب طور پر کھیلنا سیکھ لیتے ہیں۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ "منطقی فلسفے کا رسالہ "کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قضیے کی ہر صورت کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے کیونکہ قضیے کی ہر نئی صورت سادہ معروضات کے ایک نئے مجموعے کو منطقی طور پر پیش کرتی ہے لیکن "فلسفیانہ تحقیقات" میں اس نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے وٹکنسٹائن کہتا ہے کہ ہر نیا لسانی کھیل زندگی کی ایک نئی صورت حال کو پیش کرتا ہے جو پہلے سے موجود اشیا کو نئی ترتیب دینے کے مساوی نہیں ہے۔ کسی مخصوص زبان میں جو لسانی کھیل پائے جاتے ہیں ان سے ایک قوم کی زندگی کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کسی زبان میں کوئی فرد کسی مخصوص وظیفے کو سرانجام نہ دے سکے جیسے دعا مانگنا، درخواست کرنا یا طنز و مزاح وغیرہ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس قوم کی زندگی میں اس طرح کی انسانی فعالیتیں موجود ہی نہیں ہیں۔

نام دینے یا یاد کرنے کا لسانی کھیل دوسرے لسانی کھیلوں کی منطقی بنیاد نہیں ہے۔ نام دینے اور انہیں یاد کرنے سے ہم زبان نہیں سیکھ سکتے۔ فقط درشتی تعریف کے ذریعے نام دینا نہیں سیکھا جاسکتا۔ درشتی تعریف زبان کے مخصوص علم کو پہلے سے فرض کرتی ہے۔ مثلاً فرض کیجیے کہ میں لفظ "سرخ" کی درشتی تعریف دینا چاہتا ہوں اور کسی سرخ شے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ "یہ سرخ ہے" یا "یہ رنگ سرخ ہے" تو اس تعریف کو صرف وہی شخص سمجھ پائے گا جو لفظ "رنگ" کے معنی جانتا ہو گا۔ دوسری صورت میں وہ یہ بات جان سکتا ہے کہ "یہ سرخ ہے" سے وہ کتاب مراد ہے جس کی جانب میں اشارہ کر رہا ہوں یا یہ کہ کتاب کی اس مخصوص صورت کو سرخ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر وہ شخص "کتاب" اور صورت کے معنی بھی نہیں جانتا تو وہ لفظ "سرخ" کو ان معنوں میں بھی سمجھ نہیں پائے گا۔ اسی طرح وہ بچہ جو پہلی مرتبہ آموزش حاصل کر رہا ہو اسے لفظ "سرخ" کی درشتی تعریف سے کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کی قابلیت محدود ہے بلکہ منطقی طور پر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اسی بنا پر وٹکنسٹائن یہ کہتا ہے کہ درشتی تعریف زبان کے مخصوص علم کو پہلے سے فرض کرتی ہے۔ اس طرح نام دینے کا لسانی کھیل دوسرے لسانی کھیلوں کی بنیاد نہیں بنتا بلکہ یہ دوسرے لسانی کھیلوں کو پہلے سے فرض کرتا ہے۔ نام دینے کے لیے زبان کو جاننا ضروری ہے۔ فرد پہلے سے کچھ جانتا ہو گا تو نام پوچھ سکے گا۔ جب کوئی فرد کسی اجنبی ملک میں جاتا ہے تو بعض اوقات وہ درشتی تعریف کے ذریعے مقامی لوگوں کی زبان کو سیکھ سکتا ہے۔ اسے کئی مرتبہ اندازہ لگانا ہو گا کہ ان درشتی تعریفوں کا معنی کیا ہے۔ اس کا اندازہ کبھی غلط ہو گا کبھی درست کیونکہ وہ فرد پہلے سے ایک زبان کا حامل ہے اگرچہ وہ زبان اس اجنبی زبان سے مختلف ہے۔

"فلسفیانہ تحقیقات" کے مطابق ایسے اعمال جنہیں ہم اشیا کا نام سیکھنا کہہ سکتے ہیں، زبان کے استعمال کی مثالیں نہیں بلکہ زبان کے استعمال کی جانب ابتدائی اقدام ہیں۔ ہم صرف مخصوص لسانی کھیلوں کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ زبان اسما پر مبنی ہے لیکن ان میں بھی صرف درشتی تعریف کے ذریعے اسما نہیں سیکھے جاسکتے بلکہ پہلے سے کچھ لسانی علم کا ہونا ضروری ہے۔ لفظ کے معنی اس کے استعمال کو دریافت کر کے سیکھے جاسکتے ہیں۔ اکثر معاملات جن میں ہم لفظ "معنی" کا استعمال کرتے ہیں وہاں اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ لفظ کے معنی زبان میں اس کا استعمال ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی لفظ جس شے کا نام ہوتا ہے وہ اس کا معنی

نہیں ہوتا۔ لفظ "اینٹ" کا معنی ان اشیاء پر مبنی نہیں ہے جن کا یہ نام ہے بلکہ اس طریقے پر مبنی ہے جس سے زبان میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اگر حقیقی اینٹ یعنی طبعی شے "اینٹ" کے معنی کا حصہ ہو تو ہمیں یہ بات کہنے کے قابل ہونا چاہئے کہ اینٹ کو توڑنے پر میں نے لفظ "اینٹ" کے معنی کا حصہ توڑ دیا وغیرہ۔ لیکن یہ جملہ بالکل بے ہودہ ہے جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نام دینے کا نظریہ معنی بھی بے ہودہ ہے۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ وٹکنسٹائن کی دلچسپی کا مرکزی مسئلہ اپنے پہلے دور کی طرح دوسرے دور کے فلسفے میں بھی یہی تھا کہ زبان حقیقت کو کس طرح بیان کرتی ہے۔ اس نے "منطقی فلسفے کا رسالہ" میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا تھا کہ اگر کوئی جملہ کسی صورت حال کی منطقی تصویر پیش کرتا ہے تو وہ با معنی ہے لیکن "فلسفیانہ تحقیقات" میں وہ اس نقطہ نظر کو مسترد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی جملے کا معنی اس کا استعمال ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ لفظ "معنی" اور "استعمال" مترادف ہیں۔ اس کے مطابق کسی جملے کے "استعمال" سے مراد وہ مخصوص حالات ہیں جن میں اسے لکھا یا بولا جاتا ہے۔ یہ جملہ جس لسانی کھیل میں حصہ لیتا ہے وہ اس کا استعمال ہے۔ وہ جملے کے "استعمال" سے جملے کا درست یا عمومی استعمال مراد نہیں لیتا۔

وٹکنسٹائن نے "رسالہ" میں یہ فرض کیا تھا کہ جیسے عدد کی کلی صورت موجود ہے جو تمام اعداد میں مشترک ہے اسی طرح زبان کی کلی صورت بھی موجود ہے مگر اب وہ اس کو مسترد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ زبان کے مظاہر کی تہہ میں زبان کا کوئی جوہر موجود نہیں۔ الفاظ اپنے معنی ایک طریقے سے حاصل نہیں کرتے۔ بہت سے لفظ کسی شے کا نام نہیں ہیں۔ نام رکھنے کا فعل لفظ کے استعمال کے لیے ایک ابتدائی قدم ہے۔ جب ہم زبان سیکھتے ہیں تو صرف یہ نہیں دیکھتے کہ اشیاء پر کون سے لیبل لگائے گئے ہیں بلکہ کسی مخصوص لسانی کھیل میں الفاظ کے استعمال کو دیکھتے ہیں۔ زبان ایک کھیل کی مانند نہیں ہے بلکہ کھیلوں کے خاندان کی مانند ہے۔ زبان میں موجود کھیل جس طرح لا محدود ہیں اسی طرح ان کھیلوں کے اصول، مقاصد اور کھیلنے کے طریقے بھی لا محدود ہیں۔ وہ شے جو کھیلوں کو کھیل بناتی ہے وہ کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو سب کھیلوں میں موجود ہو۔ کھیلوں میں کوئی ایک سادہ مشترک خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ صرف مشابہ خصوصیات ہوتی ہیں۔ مشاہدے کے نتیجے میں ہمیں ان کھیلوں میں مشابہتوں کا ایک پیچیدہ جال نظر آتا ہے۔ وٹکنسٹائن ان مشابہتوں کو بیان کرنے کے لیے خاندانی مشابہتوں کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ جس طرح ایک خاندان کے افراد میں

بہت سی مشابہتیں ہوتی ہیں اسی طرح مختلف کھیلوں میں بھی مشابہتیں موجود ہوتی ہیں۔ اس طرح کھیل بھی ایک خاندان کو تشکیل دیتے ہیں۔ لفظ "زبان" کسی ایک مظہر کا نام نہیں بلکہ لسانی کھیلوں کی لامحدود تعداد کی کلاس کا نام ہے۔ لسانی کھیل صرف اس لئے لامحدود نہیں کیونکہ ہم نئے لسانی کھیل تصور کر سکتے ہیں بلکہ اس لیے بھی لامحدود ہے کہ کسی لسانی کھیل کی حدود بھی غیر واضح ہوتی ہیں۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ "رسالہ" کے نقطہ نظر کے مطابق واقعات منطقی صورت رکھتے ہیں اور کوئی صورت حال معروضات پر مبنی ہوتی جن پر ابتدائی قضیات مشتمل ہوتے ہیں۔ معروضات سادہ ہیں لیکن "فلسفیانہ تحقیقات" میں وہ اس نظریے کو مسترد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی شے کی سادگی یا پیچیدگی کا انحصار لسانی کھیل پر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں مطلق نہیں ہوتی۔ کسی لسانی کھیل سے ہٹ کر یہ بحث کرنا بے معنی ہو گا کہ کوئی معروض سادہ ہے یا پیچیدہ۔ "مثلاً کیا کسی درخت کا مرئی تمشالہ سادہ ہے یا پیچیدہ؟ یہ سوال اس وقت تک بامعنی نہیں ہو سکتا جب تک ہم یہ نہ کہیں کہ اگر فقط تبادیکھا جائے تو سادہ ہے اور شاخیں بھی دیکھی جائیں تو مرکب ہے۔" (4) سادہ اور پیچیدہ کے تصورات لازمی طور پر لسانی کھیل کے لحاظ سے اضافی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تصور کہ زبان ایک مطلق "سادہ پن" پر مبنی ہے، ایک فلسفیانہ ماورائی تصور ہے۔

"رسالہ میں سادہ معروضات کو اس ضرورت کے تحت تصور کیا گیا تھا کہ جملوں کے معنی متعین ہیں۔ لیکن بعد ازاں وگنٹسٹائن اس ضرورت ہی کو فلسفیانہ التباس قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم نے زبان کا ایک ایسا آئیڈیل تصور کیا تھا جو حقیقی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔ مزید برآں اگر اب مطلق سادہ معروضات کے تصور ہی کو مسترد کر دیا جائے تو یہ نظریہ کہ ایسی سادہ صورتیں موجود ہیں جو منطقی صورت رکھتی ہیں، خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے۔" (5)

اس سے "رسالہ" اور "تحقیقات" میں موجود ایک اہم امتیاز کی وضاحت ہوتی ہے کہ زبان حقیقت کی تصویر نہیں ہے بلکہ آلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بے شمار استعمال ہیں۔ زبان میں مختلف الفاظ آلہ بکس میں موجود مختلف آلات کی طرح ہیں۔ جس طرح تمام آلات کا کوئی ایک ہی لازمی استعمال موجود نہیں ہوتا

اسی طرح الفاظ اور جملوں کا کوئی واحد ناگزیر استعمال بھی موجود نہیں ہے۔ قبل تجربی طور پر ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کتنے لسانی کھیل موجود ہیں یا ان کے کیا قوانین ہیں۔ فلسفی صرف اتنا کر سکتا ہے کہ وہ مشاہدہ کرے اور حقیقی استعمال کے دوران زبان کی فعالیت کو بیان کرے۔ فلسفہ کسی بھی طرح زبان کے حقیقی استعمال میں دخل انداز نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اسے صرف بیان کر سکتا ہے۔ ریاضیاتی منطق جیسی کوئی آئیڈیل زبان مخصوص اہمیت تو رکھتی ہے لیکن مصنوعی ہونے کی وجہ سے عمومی زبان کا بدل کسی بھی طرح نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ پھر آخر فلسفے کا کام کیا ہے؟ "رسالہ" میں یہ کہا گیا ہے کہ فلسفے کا مقصد یہ ہے کہ وہ قضیات کا تجزیہ کرے اور ان کی درست منطقی صورت دریافت کرے تاہم اب وہ کسی درست صورت کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اب تصویر کشی کے لیے کسی واقعے کی منطقی صورت ہی موجود نہیں اور قضیہ کی درست صورت کا تعقل اپنا معنی ہی کھو بیٹھا ہے۔ اب وگنسنسٹائن کے مطابق "ایک طرف تو یہ واضح ہے کہ ہماری زبان میں ہر جملہ نظم میں ہے جیسا کہ وہ ہے، یعنی ہم کسی آئیڈیل کی جستجو میں نہیں ہیں، دوسری طرف یہ واضح ہے کہ جہاں معنی ہیں وہاں مکمل نظم ناگزیر ہے۔۔۔۔۔ پس مبہم ترین جملے میں بھی مکمل نظم ناگزیر ہے۔" (6) فلسفی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ قضیے کو درست کرے بلکہ اس کا کام قضیے کا فہم حاصل کرنا ہے۔ وہ مختلف لسانی کھیلوں کے قوانین کو بیان کرتا ہے تاکہ زبان کے غلط استعمال سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو دور کیا جاسکے۔ اس طرح وہ مکمل وضاحت کی کوشش کرتا ہے۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ قضیات کو غلط بھی سمجھا جاسکتا ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جو فلسفے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ اگر غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے تو فلسفے کا وجود بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت تک کوئی کنفیوژن پیدا نہیں ہوتی جب تک زبان کے اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ کنفیوژن صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جس وقت زبان صحیح طریقے سے کام نہیں کرتی۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ کوئی بیان ایک لسانی کھیل میں با معنی ہے تو وہ دوسرے لسانی کھیل میں بھی با معنی ہی ہو گا لیکن سیاق و سباق بدل جانے کی وجہ سے وہ دوسرے لسانی کھیل میں درست کام نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی یہ کہے کہ "میرا پاؤں سو گیا ہے" تو ایسا کہنا با معنی ہو گا لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ "میرا قلم سو گیا ہے" تو یہ جملہ ہمیں الجھن میں ڈال دے گا۔ اگر وہ شخص ہمیں یہ بتائے کہ اس کا قلم ویسے ہی سو گیا تھا جیسے ہاتھ اور پاؤں سو جاتے ہیں تو اس سے ہماری الجھن دور نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ یہاں "جیسے" کا مفہوم کیا ہے۔ اگر ہم تانبے کے ایک ٹکڑے کی لمبائی پوچھیں تو یہ بات بامعنی ہوگی لیکن اس سے اگر ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ یہ پوچھنا بھی بامعنی ہوگا کہ پیرس میں سٹینڈرڈ میٹر کی لمبائی کتنی ہے تو بے شک یہ بات بے معنی ہوگی کیونکہ لمبائی کا مطلب سٹینڈرڈ میٹر ہی سے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم کسی موجود لسانی کھیل میں زبان کے معنی پوچھتے ہیں تو یہ بات بامعنی ہوگی لیکن اس بنیاد پر اگر ہم خود زبان کے معنی پوچھنے لگیں یعنی یہ کہیں کہ کیا زبان کا کوئی ایسا جوہر موجود ہے جو تمام لسانی کھیلوں میں مشترک ہے تو یہ بات بھی بے معنی ہوگی کیونکہ زبان کا کوئی پوشیدہ جوہر موجود نہیں ہے۔ ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کس طرح زبان کی پیچیدگیوں میں بھٹک کر بے معنی سوال پوچھنا شروع کر دیتے ہیں جس سے ذہنی مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ فلسفے کا معنی مغالطوں کو دور کرنا ہے۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ وٹکنسٹائن کا یہی دعویٰ ہے کہ فلسفہ لسانی کنفیوژن کو دور کرتا ہے اور اس طرح ہمیں ذہنی الجھنوں سے نجات دلاتا ہے۔

"فلسفیانہ مغالطے ہماری فکری عادت کی گہرائیوں میں اس طرح پیوست ہیں کہ عام طور پر ان کی طرف توجہ نہیں جاتی۔ اشیاء کے وہ پہلو جو اہم ترین ہیں۔ اپنی سادگی اور مانوسیت کے سبب پوشیدہ رہتے ہیں۔ زبان کی صورتوں کے مغالطوں سے پیدا ہونے والے مسائل گہرے ہیں۔ ان کی جڑیں اتنی ہی گہری ہیں جتنی لسانی صورتوں کی اور ان کی اہمیت بھی اسی قدر ہے جس قدر ہماری زبان کی ہے۔ لہذا یہ مغالطے ہماری زبان کی صورت سے جنم لیتے ہیں۔ جب تک ان سے متعلقہ فلسفیانہ مسائل کو واضح نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی دریافت ناممکن ہے۔ کوئی شخص یہ قیاس نہیں کر سکتا کہ کوئی لفظ کیسے کام کرتا ہے۔ ہمیں بس اس کا استعمال دیکھنا پڑتا ہے اور اسی طرح فہم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کی راہ میں جو تعصب حائل ہے، اسے ہٹانا دشوار ہے، یہ کوئی احمقانہ تعصب بھی نہیں۔ فلسفیانہ مسائل حل کرنے کا طریقہ یہ دیکھنا ہے کہ زبان کی منطق کا کیوں اور کیسے غلط فہم حاصل کیا گیا ہے۔

فلسفیانہ مسئلہ کسی شے کے خراب ہونے کی علامت ہے اور فلسفی کا کام خرابی تلاش کرنا ہے۔ کسی مسئلے کو فلسفی اس طرح حل کرتا ہے جس طرح کسی بیماری کا علاج کیا جاتا ہے۔" (7)

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ "منطقی فلسفے کا رسالہ" اور "فلسفیانہ تحقیقات" دونوں میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ فلسفہ نظریاتی نہیں بلکہ ایک وضاحتی اور معالجاتی عمل ہے۔ وہ اس طرح ہمارے علم میں اضافہ نہیں کرتا جس طرح سائنس ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے لیکن وہ ہماری زبان میں موجود بے معنی عناصر کو واضح کرتا ہے اور زبان کو درست کرتا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اختلاف کی بنیاد زبان کا تصور اور تجربی طریقہ ہے۔ ان سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تعلقاتی الجھنیں فلسفے کو پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں اور اگر ہم ان تعلقات کو ان کے فطری سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں تو پھر فلسفیانہ نظریات کا کوئی جواز موجود نہیں رہے گا۔

وٹگنسٹائن یہ کہتا ہے کہ خود اس کا کام ہمیں اس شے کے بارے میں یاد دہانی کروانا ہے جو سطح پر موجود ہے۔ وہ کوئی رائے نہیں دیتا نہ ہی کوئی ایسی توجیہات پیش کرتا ہے جو گہری ہوں۔ اس کے بقول فلسفہ نہ کسی شے کی توجیہ کرتا ہے نہ اس سے نتائج اخذ کرتا ہے بلکہ چیز کو ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ جب سب کچھ سامنے ہے تو پھر کسی توجیہ کی کیا ضرورت۔ اس طرح اشیاء کے وہ پہلو جو ہمارے لیے اہم ترین ہوتے ہیں اپنی سادگی اور مانوسیت کے سبب چھپے نہیں رہتے۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ وٹگنسٹائن کے آخری دور کے کام کی تلخیص کرنا کم و بیش ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک کوئی فلسفیانہ نظریہ موجود ہی نہیں اور تعلقاتی امور کی توجیہ کرنے کے لیے وہ جو طریقہ کار استعمال کرتا ہے وہ کسی نظریاتی اصول کا حامل نہیں ہے۔ وہ ہمیں صرف اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ اگر ہم ذہنی مغالطوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں زبان پر نظر رکھنی چاہیے۔

ب - "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں "Philosophical Investigations" کے مَشمولہ لسانی مباحث

قاضی قیصر الاسلام نے اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" کے "منطقی ایجابیت" اور "بیسویں صدی کا تحلیلی فلسفہ" کے ابواب میں، وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو "دورِ ثانی (فلسفیانہ تحقیقات)" کے ذیلی عنوان کے تحت اردو میں منتقل کیا ہے۔ انہوں نے دورِ اول کے تصورات کا حوالہ بھی دیا ہے تاکہ دونوں ادوار کے فرق کو واضح کیا جاسکے۔ (8)

"منطقی ایجابیت" کی باب میں "دورِ ثانی (فلسفیانہ تحقیقات)" کے ذیلی عنوان کے تحت قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ وٹکنسٹائن نے دورِ اول کی فکر میں زبان کا جامد / اٹل تصور پیش کیا ہے اور اس کا معنی کا تصور "اَحَدِیَّتِی" ہے جس کے ذریعے وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ایک لفظ اور اس سے وابستہ اس کا منطقی منسوب ایک اٹل حقیقت کے طور پر خارج کی دنیا میں ہوا کرتا ہے۔ مگر اپنی دورِ ثانی کی فکر میں وہ اپنے سابقہ تصور کو خود ہی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اسے مسترد کرتا ہے اور ایک نئی اور اچھوتی فکر پیش کرتا ہے جسے دنیائے فکر میں "فلسفیانہ تحقیق" کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔ اس نئی اور اچھوتی فکر کا حقیقی فہم حاصل کرنے کے لیے وٹکنسٹائن خود اپنے قارئین کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ اسے اس کے دورِ اول کی فکر (ٹریکیٹس) کی روشنی میں دیکھیں گے تو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

دورِ اول کی فکر کے برعکس دورِ ثانی کی فکر میں وہ یہ کہتا ہے کہ یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ لفظ کا معنی / مفہوم کیا ہے بلکہ یہ سوال اٹھانا چاہیے کہ اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ دورِ اول کی طرح دورِ ثانی میں بھی وہ اس تصور کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کہ فلسفیانہ مسائل لسانی مسائل ہیں۔ دونوں ادوار کی فکر کے مابین اصل امتیاز یہ ہے کہ دورِ اول میں زبان کا جامد / اٹل تصور دورِ ثانی میں زبان کے حرکی تصور سے بدل گیا ہے۔ دورِ اول میں معنی کا اَحَدِیَّتِی تصور تھا جبکہ دورِ ثانی کی فکر میں معنی کا تکثیری نظریہ ملتا ہے۔ اب وہ زبان کی عملیت کی طرف

اس لیے توجہ دلاتا ہے کیونکہ اب اس کے نزدیک فلسفیانہ مسائل کا حل نئی سے نئی زبانوں کو ایجاد کرنے کے بجائے اب اس بات پر موقوف ہے کہ روزمرہ کی زبان سے وابستہ الفاظ اور ان سے متعلق لسانی اظہاریے کے محل استعمال اور اس کی کارآوری کی اصل جانکاری حاصل کی جائے۔ اس کا کہنا ہے کہ فلسفیانہ مسائل تجربی مسائل نہیں ہیں اس لیے اگر ان کا حل کہیں موجود ہو سکتا ہے تو وہ ہماری روزمرہ کی زبان کی کارآوری اور اس میں موجود الفاظ کے محل استعمال سے اچھی طرح واقفیت ہے گویا اگر ہمیں اس بات کا علم ہو جائے کہ ہماری زبان کس طرح عمل کرتی ہے تو بہت سے فلسفیانہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ ٹریکیٹس میں وگنسنسٹائن نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ زبان کو تشکیل دینے والے قطعی عناصر ترکیبی وہ اسما ہیں جو سادہ معروضات کے قائم مقام یا متبادل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مگر فلسفیانہ تحقیقات میں وہ جس چیز پر اصرار کرتا نظر آتا ہے وہ زبان کی کارآوری یا اس کا استعمال ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ زبان کے وظیفے، مقصد، منتہی اور منصب کو بھی واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فلسفیانہ تحقیقات میں اس نے زیادہ تر زبان کے محل استعمال پر بحث کو آگے بڑھایا ہے۔ اس کتاب میں اس کا استدلال یہ ہے کہ سادہ و پیچیدہ / مرکب الفاظ اپنا کوئی مطلق / قطعی معنی نہیں رکھتے بلکہ دراصل ایک لسانی کھیل کے تحت ہی معنی و مفہوم کا معاملہ اجاگر ہوتا ہے۔ لسانی کھیل کے تحت ہی یہ طے کیا جانا ممکن ہوتا ہے کہ کسی مفہوم / معنی کی نوعیت سادہ ہے یا پیچیدہ / مرکب۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ یہ کیسے طے کیا جائے کہ ایک درخت کو دیکھ کر کسی شخص کے ذہن میں جو بصری امیج بنتا ہے اس کی نوعیت سادہ ہے یا پیچیدہ / مرکب تو اس سوال کے کوئی معنی اس وقت تک نہیں سمجھے جاسکتے جب تک ہم پر پوری طرح واضح نہ ہو جائے کہ وہ بصری امیج کیا ہے۔ یعنی صرف تنے کا امیج سادہ ہو گا اور تنے کے ساتھ ساتھ شاخوں اور پتیوں کا امیج اپنی نوعیت کے اعتبار سے مرکب / پیچیدہ ہو گا۔

قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ اس معاملے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اگر ہم شطرنجی بساط کو اپنے پیش نظر رکھیں تو یہ اپنی نوعیت میں ایک قطعی پیچیدہ / مرکب چیز ہے جو بتیس سفید اور بتیس سیاہ چوکور خانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن رنگوں کے ساتھ ساتھ چوکور خانوں پر مشتمل ایک سکیم / ڈیزائن بھی اسے مرکب یا پیچیدہ بناتا ہے۔ اسی طرح اگر شطرنج کی بساط پر کسی اور زاویے سے نگاہ ڈالی جائے تو یہ کسی اور زاویے سے

سادہ یا مرکب / پیچیدہ نظر آئے گی۔ مختلف زاویوں سے اس کے سادہ یا مرکب / پیچیدہ ہونے کے بارے میں سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

"کبھی یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ یہ سفید رنگ آیا، اپنی نوعیت میں سادہ ہے یا پھر یہ سفید رنگ قوسِ قزح کے سات رنگوں پر مشتمل ایک مرکب یا پیچیدہ چیز ہے؟ سات رنگوں پر مشتمل کسی مرکب یا پیچیدہ چیز پر بات اگر بہ فرض محال ختم ہو بھی جائے تو سوالات کا سلسلہ تو پھر بھی ختم ہو کے نہیں دیتا۔ اور پوچھنے والا رنگوں پر سوال اٹھانے کے بجائے یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا دو سینٹی میٹر کے طول پر مشتمل یہ چوکور خانہ سادہ نہیں ہے یا یہ کہ چوکور خانہ بجائے خود دو حصوں میں بٹا ہوا نہیں ہے اور اس کا ہر بٹا ہوا حصہ اپنے اپنے طول میں الگ الگ ایک سینٹی میٹر کا نہیں ہے؟ فرض کیجئے کہ اس شطرنج کی بساط کے چوکور خانوں کے رنگوں اور اس کے طول و عرض سے متعلق سوالات کا یہ لامتناہی سلسلہ بھی کسی نقطے پر پہنچ کر اختتام پذیر ہو جائے کہ جو ایک محال صورتِ حال ہے تو ایسی صورت میں بھی سوالات کا سلسلہ تو پھر بھی جاری رہ سکتا ہے اور وہ اس طرح جاری ہو سکتا ہے کہ کیوں نہ ہم اس تین سینٹی میٹر اور ایک سینٹی میٹر طول رکھنے والے چوکور خانے کے ایک تقسیم شدہ ٹکڑے کو مخالف سمت رکھ کر پیمائش کر دیکھیں اور علیٰ ہذا القیاس؟"

(9)

قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ ان دو مثالوں کے ذریعے وٹکنسٹائن ہمیں یہ سمجھانے اور بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ سادہ اور مرکب / پیچیدہ شے کے تصورات کے ناگزیر ربط کی واحد ممکنہ صورت لسانی کھیل ہی ہے۔

"بیسویں صدی کا تحلیلی فلسفہ" کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں "دورِ ثانی (فلسفیانہ تحقیقات)" کے ذیلی عنوان کے تحت قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ وٹکنسٹائن کی دورِ ثانی کی فکر "لسانی کھیل" کا نظریہ کہلاتی ہے جس کی بنیاد سینٹ آگسٹائن کی اس مجوزہ فکر پر استوار ہوئی ہے جسے وہ "کھیل کا تسمیہ" کہتا ہے۔ دور

ثانی کے فلسفے میں وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ہمیں لفظ کے اس معنی سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے جو کسی شے / معروض کا نام ہو بلکہ لفظ کے محل استعمال اور کارآوری کو پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ بیانات کے درست ہونے کا انحصار معنی کے بجائے انہی دو باتوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ "خیر کا کیا معنی یا کیا مفہوم ہے؟" تو ہمارا یہ پوچھنا درست نہیں ہے بلکہ دراصل ہمیں یہ پوچھنا چاہیے کہ کسی لفظ کے معنی ہم نے کیونکر سیکھے ہیں اور اس لفظ کے کون کون سے وظائف ہیں؟ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ لفظ کے محل استعمال اور کارآوری یا عمل کی مکمل وضاحت کریں تاکہ کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

محض حقیقت کی تصویر کشی سے ہر گز بات نہیں بنتی بلکہ اصل معاملہ / ماجرا / واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں کوئی بھی لفظ ایک ایسے مؤثر آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے جس کے وسیلے سے ہم تصورات / واقعات کا ٹھیک ٹھیک اثبات کرتے ہیں اور واقعات / تصورات کی پوری اور صحیح تفصیلات کو اکٹھا کر لیتے ہیں۔ وٹکنسٹائن کا نقطہ نظریہ ہے کہ جو الفاظ زبان میں استعمال ہوتے ہیں اگر ہم ان کی کارآوری اور محل استعمال سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور ان کا صحیح تجزیہ کرنے کے ہنر سے کام لیں تو پھر الجھن پیدا کرنے والے فلسفیانہ مسائل کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا اور ان کا کوئی نہ کوئی مثبت حل ضرور سامنے آئے گا۔ اسی وجہ سے ایک فلسفی کو زبان کے حقیقی اور واقعی استعمال اور اس کی کارآوری سے سروکار رکھنا چاہیے۔ اگر وہ کسی بے جا مداخلت کے بغیر زبان کو برتے گا تو اس پر مسائل کی مکمل تصویر واضح ہو جائے گی یا وہ ان کا کوئی معقول حل ضرور پالے گا۔

حوالہ جات

۱. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۵
۲. ایضاً، ص ۱۱۶
۳. ایضاً، ص ۱۱۷
۴. ایضاً، ص ۱۲۱
۵. ایضاً، ص ۱۲۱
۶. ایضاً، ص ۱۲۲
۷. ایضاً، ص ۱۲۳ تا ۱۲۴
۸. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰
- تا ۱۳، ۴۷ تا ۴۸
۹. ایضاً، ص ۱۲
۱۰. ایضاً، ص ۴۷ تا ۴۸

باب سوم:

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث:

منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

الف۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: "جدید مغربی فلسفہ"

میں شامل اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

قاضی جاوید کی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" کا ساتواں مضمون "وٹکنسٹائن: دوسرا دور"، وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے ترجمے اور توضیح پر مشتمل ہے۔ پہلے پانچ پیرا گراف کتاب کے تعارف اور پس منظر پر مشتمل ہیں اس کے بعد صفحہ نمبر ۱۱۶ سے ۱۲۴ تک کا متن ترجمے اور توضیح پر مشتمل ہے۔ جہاں تک ترجمے کے طریقہ کار کا تعلق ہے تو زیادہ تر مقامات پر مترجم نے ترجمے میں ایک راوی کی زبان میں ماخذ متن کے خیالات کو بیان کیا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ایک محرک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے والے کو یہ گمان نہ گزرے کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ مترجم نے جگہ جگہ توضیح سے کام لیا ہے۔ مترجم نے مصنف کے معنی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے تاہم جملے کی لفظیات اور ساخت کو ہر جگہ مد نظر نہیں رکھا اور اپنی سہولت کے مطابق مصنف کے خیالات کی ترتیب کو بھی تبدیل کیا ہے۔ کچھ مقامات پر انہوں نے خود ایک راوی کے طور پر بیان کرنے کے بجائے مصنف کے خیالات کو اسی کے الفاظ میں پیش کیا ہے اور کچھ اقتباسات کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مثلاً یہ جملہ:

"کسی مسئلے کو فلسفی اس طرح حل کرتا ہے جس طرح کسی بیماری کا علاج کیا جاتا ہے۔" (۱) (۲)

ایسے مقامات پر انہوں نے ماخذ متن کا سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے اور اس کے مفہوم کو منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے مقامات پر توضیحی عناصر بہت کم ہیں۔ بعض مقامات پر مترجم نے بہت زیادہ توضیح سے کام لیا ہے۔ چند مقامات پر پیرا گرافوں میں کئی توضیحی جملے صرف توضیحی ہیں جیسے:

"پہلے دور کے فلسفہ کی طرح آخری دور میں بھی وگنسنٹائن کی دلچسپی کا مرکزی مسئلہ یہ تھا کہ زبان حقیقت کو کیسے بیان کرتی ہے۔" منطقی فلسفے کا رسالہ "میں اس نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا تھا کہ کوئی جملہ بامعنی ہے اگر وہ کسی صورت حال کی منطقی تصویر پیش کرتا ہے۔۔۔ لیکن "فلسفیانہ تحقیقات" میں یہ نظریہ مسترد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ۔۔۔" (3)

ترجمے کے متن کے دو مکمل پیرا گراف صرف توضیح پر مشتمل ہیں جو درج ذیل ہیں:

"منطقی فلسفہ کا رسالہ "میں یہ فرض کیا گیا ہے۔۔۔ تمام اعداد میں مشترک ہے۔" (4)

"رسالہ "اور "تحقیقات" کے نظریہ زبان میں اختلاف۔۔۔ منطقی صورت واضح ہو جاتی ہے۔" (5)

ایک مقام پر مترجم نے توضیح کے لیے کسی نقاد کا ایک اقتباس ہدفی متن میں شامل کر دیا ہے۔ اس اقتباس کو اگرچہ انہوں نے واوین میں لکھا ہے تاہم اس کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا اور صرف یہ لکھا ہے کہ "ایک نقاد اس نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ۔۔۔" (6)

ایک مقام پر توضیح کے لیے ایک مثال مترجم نے یا تو خود اختراع کی ہے یا بغیر حوالہ دیے کہیں سے نقل کی ہے تاہم وضاحت کی حیثیت سے یہ بہت مؤثر ہے۔ یہاں پر مترجم نے توضیح کے لیے domestication کی تکنیک کا عمدہ استعمال کیا ہے۔ یہ مثال درج ذیل ہے:

"مثال کے طور پر یہ کہنا بامعنی ہے کہ "میرا پاؤں سو گیا ہے۔" اب اگر کوئی کہے کہ "میرا قلم سو گیا ہے" تو ہم الجھن میں پڑ جائیں گے۔ اگر وہ شخص یہ کہے، جیسے ہاتھ اور پاؤں سو جاتے ہیں ویسے ہی میرا قلم سو گیا ہے تو اس سے

ہماری الجھن دور نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ یہاں "جیسے" کیا ہے؟

"(7)"

مترجم نے ان توضیحات کو حواشی و تعلیقات کا حصہ بنانے کے بجائے ترجمے کے اصل متن میں شامل کرنا ہی بہتر سمجھا ہے اور ان توضیحات کو اس طرح ترجمے کے ساتھ ملایا ہے کہ توضیح اور ترجمہ الگ دکھائی نہ دے۔ مترجم کی توضیحات بہت بر محل اور ماخذ متن کی بہتر تفہیم کے لیے بہت مؤثر ہیں۔ مترجم اس تحریر کو ایک ترجمے کے طور پر پیش نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مٹح نظر کتاب کے مباحث کو اختصار، جامعیت اور تاثیر کے ساتھ قاری تک پہنچانا تھا اسی لیے انہوں نے اس ترجمے کو ایک طبع زاد تحریر کے طور پر پیش کیا ہے۔ جہاں تک علمی نثر کا معاملہ ہے، کسی تحریر کے مفہوم کو کسی دوسری زبان میں بیان کر دینا ترجمہ ہی کہلائے گا۔ کوئی تحریر اسی صورت میں طبع زاد قرار دی جاسکتی ہے جب فکری و معنوی سطح پر اس کے لکھنے والے نے اس میں خود بھی کوئی اضافہ کیا ہو۔

توضیح ترجمے کی معاونت کرتے ہوئے ماخذ متن کی وضاحت تک محدود ہوتی ہے اس لیے محض توضیح کے شامل ہو جانے سے کوئی ترجمہ طبع زاد نہیں کہلا سکتا۔

قاضی جاوید کی یہ تحریر طبع زاد نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔ اس بات کا تعین دو وجوہات کی بنیاد پر ہوتا ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس تحریر کے تمام مباحث انگریزی سے اردو میں منتقل کیے گئے ہیں یعنی یہ بین اللسانی ترجمہ ہے؛ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تحریر کے تمام مباحث و ٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے مباحث کو مترجم کی اپنی ترتیب اور انتخاب کے مطابق بیان کرنے اور ان کی توضیح کرنے تک محدود ہیں یعنی یہ بین المعنیاتی ترجمہ ہے۔ مترجم نے مصنف کے خیالات میں اضافہ نہیں کیا نہ ہی ان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ خود کو مصنف کے خیالات کے انتقال اور توضیح تک محدود رکھا ہے۔

"Philosophical Investigations" میں استعمال ہونے والی دو اہم اصطلاحات میں

"ostensive teaching" اور "ostensive definition" شامل ہیں۔ "ostensive

definition" کو "ostensive explanation" بھی کہا گیا ہے۔ قاضی جاوید نے "ostensive

definition" کا ترجمہ "درشنی تعریف" کیا ہے۔

اردو لغت کے مطابق لفظ "درشن" کے ساتھ 'ی' کو بطور لاحقہ نسبت لگا کر لفظ "درشنی" حاصل کیا گیا ہے جس کا مفہوم "درشن سے منصوب" ہے اور "درشن" کے معنی: دیدار، نظارہ، صورت دیکھنا، زیارت، صورت دکھانا، جلوہ نمائی، ہیں۔ (8)

"کشاف اصطلاحات فلسفہ" میں لفظ "ostensive" کا ترجمہ "درشنی" کیا گیا ہے اور اس کی درج ذیل وضاحت کی گئی ہے:

"ہر تصور کا اشارہ جزئیات کی جانب ہوتا ہے جس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، تصور کے اس خاصہ کو درشنی کہا جاتا ہے۔" (9)

درج بالا تعریفوں کی روشنی میں "ostensive definition" کا ترجمہ "درشنی تعریف" کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے کیونکہ وٹکنسٹائن نے بھی "ostensive definition" سے مراد اشیا کی تعریف کرنے کا وہ عمل لیا ہے جس میں اشیا یا ان کی جزئیات یا صفات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے اور ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

وٹکنسٹائن نے "primitive language" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کا ترجمہ قاضی جاوید نے "سادہ زبان" کیا ہے۔ یہاں "ابتدائی" کے بجائے "سادہ" کا لفظ اس لیے موزوں ہے کیونکہ وٹکنسٹائن نے "primitive language" سے مراد زبان کی وہ صورت لی ہے جو زبان کی زیادہ ترقی یافتہ صورتوں کی طرح پیچیدہ نہ ہو۔

قاضی جاوید نے visual image کا ترجمہ "مرئی تمثالچہ" کیا ہے۔ قاضی قیصر الاسلام نے "جدید فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" کے آخر میں فلسفیانہ اصطلاحات کی جو فہرست درج کی ہے اس میں انہوں نے visual image کا ترجمہ "بصری تمثال" کیا ہے جو زیادہ معروف ترجمہ ہے۔

قاضی جاوید نے اپنے ترجمے اور توضیح میں کئی اہم انگریزی اصطلاحات کے ترجمے کے ذریعے اردو اصطلاحات وضع کی ہیں تاہم کہیں بھی اردو اصطلاح کے سامنے تو سین میں انگریزی اصطلاح کو نہیں لکھا ہے حواشی میں کسی اردو اصطلاح کی ماخذ انگریزی اصطلاح کا ذکر کیا ہے جس سے فوری طور پر اس اصطلاح کے

درست مفہوم تک پہنچنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس کے لیے قاری کو اس کے ماخذ انگریزی متن کو پڑھ کر سمجھنا پڑتا ہے تب ہی اس کا اردو ترجمہ قابل فہم ہوتا ہے۔ قاضی جاوید کی وضع کردہ اردو اصطلاحات میں سے اکثر، اردو لغات اور کتب میں یا تو موجود ہی نہیں ہیں یا جزوی صورت میں موجود ہیں یا ان کا مفہوم اور پس منظر وہ نہیں ہے جو "Philosophical Investigations" اور قاضی جاوید کے ترجمے میں مراد لیا گیا ہے۔ یہاں اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ "Philosophical Investigations" کے اردو ترجمے میں آنے والی اصطلاحات کی تشریح کی جائے یا حواشی و تعلیقات کے ذریعے اردو کے قارئین کو اس کے پس منظر، سیاق و سباق اور درست مفہوم تک رسائی فراہم کی جائے۔ قاضی جاوید کی وضع کردہ ایسی اصطلاحات درج ذیل ہیں: جوہری قضیات، منطقی صورتیں، سادہ صورتیں، نتائجی، سادہ معروضات، درشتی تعریف، زبان کی کلی صورت، وظیفہ صداقت، لسانیاتی تشویش۔

قاضی جاوید کے ترجمے کو اگر یو جین نیڈاکے، ترجمے میں مساوات (equivalence) کے حصول کے تصور کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس ترجمے میں رسمی (formal) مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی مواد اور ہیئت دونوں میں پیغام پر توجہ مرکوز کی گئی ہے تاکہ قاری ماخذ زبان کے سیاق و سباق کو زیادہ سے زیادہ سمجھ سکے۔ متحرک (dynamic) مساوات یہاں اس لیے اہم نہیں ہے کہ اس نہایت سنجیدہ علمی نثر میں پیغام کی ترسیل زیادہ اہم ہے نہ کہ وصول کنندہ پر اس کا یکساں اثر کرنا۔

فلسفیانہ متون کے مترجمین کے لیے دوہری مشکل یہ ہوتی ہے کہ ایسے متون لسانیاتی حوالے سے ادبی اور سائنسی متون کی دو انتہاؤں کے درمیان معلق ہوتے ہیں۔ ایک طرف بدلانہ جاسکنے والا قطعیت کا حامل پیغام ہوتا ہے تو دوسری طرف موضوعیت کا حامل شخصی اور انفرادی اسلوب ہوتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کو بیک وقت مد نظر رکھنا مترجم کے لیے واقعی ایک بڑا چیلنج ہے۔

Mircea Flonta کے بقول اسلوبیاتی نقطہ نظر سے، کچھ فلسفیانہ تحریریں ٹیکنیکل تحریروں سے زیادہ نزدیک ہوتی ہیں جیسا کہ اینگلو۔سیکسن تحلیلی فلسفے کے نمائندہ متون، جبکہ دوسری تحریریں زیادہ شاعرانہ ہوتی ہیں جیسا کہ کچھ جرمن مصنفین کی فلسفیانہ تحریریں، یہ دوسری نوعیت کی تحریریں بہت زیادہ اختراعی ہوتی

ہیں کیونکہ یہ نئی معنویت کے اظہار کے لیے زبان کو نئی لسانیاتی ساختیں اور اظہاریے اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ فلسفیانہ متون کا ایسا ہو بہو ترجمہ کیا جاسکے جس میں ماخذ متن کے معنی اور اسلوب کو مکمل طور پر دوبارہ لفظی صورت دی جاسکے اور اس کی مکمل بازیافت کی جاسکے، کیونکہ بدیہی طور پر دیکھا جائے تو یہ قاری پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ان کی کیا توضیح کرتا ہے۔ (10)

اسی مشکل کے پیش نظر قاضی جاوید نے "جدید مغربی فلسفہ" میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو اختصار سے بیان کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ترجمے اور توضیح میں ایسی کئی تفصیلات کو شامل نہیں کیا گیا جو کسی نکتہ نظر کی تفہیم کے لیے پس منظر، سیاق و سباق، جزئیات یا مثالوں کے طور پر بیان کی گئی تھیں۔ اردو کا وہ قاری جس نے "Philosophical Investigations" کو نہ پڑھا ہو وہ قاضی جاوید کے ترجمے اور توضیح کے ذریعے وٹکنسٹائن کے لسانی مباحث کا درست فہم حاصل کرنے میں ناکام ہو سکتا کیونکہ اس فلسفے کی تفہیم کے لیے وٹکنسٹائن نے جو پس منظر، سیاق و سباق، جزئیات یا مثالیں بیان کی ہیں ان کو سمجھے بغیر اس کے لسانی مباحث کا درست فہم حاصل کرنا مشکل ہے۔ قاضی جاوید کی کتاب کو پڑھ کر ہمیں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ "Philosophical Investigations" کے مکمل متن کا اردو ترجمہ کیا جانا چاہیے۔ "Philosophical Investigations" کے مکمل متن کا اردو ترجمہ ہی کافی نہ ہو گا بلکہ اس کی اردو شرح اور اردو میں اس کے فکری ارتقا اور تحلیلی فلسفے کے تعارف اور پس منظر کا تفصیلی بیان بھی ضروری ہے جس سے اردو کا قاری اس قابل ہو گا کہ وہ اس کتاب کے لسانی مباحث کی مکمل اور موثر تفہیم حاصل کر سکے۔

قاضی جاوید نے "جدید مغربی فلسفہ" میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے ان کے پس منظر اور وٹکنسٹائن کے فکری ارتقا کو بھی سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے کتاب کے مباحث کو اردو میں بیان کرنے سے پہلے مصنف کی شخصیت اور اس کے افکار کے بارے میں جو تمہید باندھی ہے وہ کتاب کے لسانی مباحث کے ترجمہ و توضیح کو ضروری پس منظر فراہم کر کے کسی الجھاؤ اور غلط یا نامکمل تفہیم کے امکان کو کم کرتی ہے۔ مثلاً:

"وٹکنسٹائن کے نقطہ نظر میں تبدیلی کا سبب ریمزے نامی ایک ریاضی دان دانشور اور وی آنا سرکل کے ارکان اور خصوصاً پیروسرن کو قرار دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس تبدیلی کو ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ تبدیلی کے محرکات کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ وٹکنسٹائن نے ۱۹۳۰ء کے بعد ایک نیا نقطہ نظر اختیار کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ "رسالہ" کے بنیادی نظریات قطعاً غلط تھے۔" (11)

قاضی جاوید کی علمیت، موضوع کا واضح اور وسیع فہم، زبان پر گرفت اور تخلیقی و اختراعی مزاج نے اس ترجمے کو منفرد بنا دیا ہے۔ یہ قاضی جاوید کا کمال ہے کہ انہوں نے اتنے پیچیدہ موضوع کو اتنی سہولت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔ قاضی جاوید کے اس ترجمہ و توضیح کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فکری اور فلسفیانہ موضوعات کے ترجمے اور توضیح کے لیے اردو کا دامن ہر گز تنگ نہیں ہے بشرطیکہ مترجم خود با کمال ہو۔ سی اے قادر اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"تحلیلی فلسفہ خاصا دقیق ہے۔ اسے انگریزی زبان میں ادا کرنا مشکل ہے چہ جائیکہ اسے اردو میں بیان کر دیا جائے اور وہ بھی اس سادگی سے جیسا کہ قاضی جاوید نے کیا ہے۔ انہوں نے تحلیلی فلسفے کی تاریخ اور عقائد کو جس عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے اس سے اردو زبان کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب نے فنی اور اصطلاحاتی معیار بھی بلند رکھا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔" (12)

قاضی جاوید کا یہ ترجمہ ایک ابتدائی اور مختصر مگر بہت عمدہ علمی کاوش ہے جو نہ صرف اردو کے قارئین کو "Philosophical Investigations" جیسی پیچیدہ مگر انتہائی اہم کتاب کے مباحث کی مبادیات سے آشنا کرتا ہے بلکہ اردو میں لسانیاتی تحلیل کے مترجمین اور شارحین کے لیے بھی ایک ابتدائی اور بنیادی خاکہ فراہم کرتا ہے۔

ب۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں شامل اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

قاضی قیصر الاسلام نے "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو دو مختلف ابواب میں "دورِ ثانی (فلسفیانہ تحقیقات)" کے ذیلی عنوانات کے تحت اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ تحریر بمشکل چار صفحات پر مشتمل ہے جس میں مترجم نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے "Philosophical Investigations" کے بنیادی اور اہم ترین لسانی مباحث ہی کا اردو ترجمہ و توضیح کی ہے تاہم وہ خود اس تحریر کو ترجمہ قرار نہیں دیتے۔

اس تحریر کو ترجمہ قرار دینے کی دو وجوہات ہیں: اول یہ کہ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث اور ان سے متعلق تعارفی اور پس منظری معلومات کو انگریزی زبان سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے جو بین اللسانی ترجمہ ہے؛ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تحریر میں "Philosophical Investigations" کے اہم اور بنیادی لسانی مباحث کو مترجم نے اپنی ترتیب اور انتخاب کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور توضیح کی ہے، اس لیے یہ بین المعنیاتی ترجمہ ہے۔ مترجم نے صرف کتاب کے افکار کو بیان کیا ہے اور انہی کی توضیح کی ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیش نہیں کی نہ ہی ماخذ متن کے افکار کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اس لیے یہ تحریر طبع زاد کے بجائے ترجمہ ہی کہلائے گے۔ قاضی قیصر الاسلام کا مطمح نظر بھی یہی ہے کہ ونگنسٹائن کی کتاب کے افکار کو اردو کے قارئین تک، پیغام کے حوالے سے ہو بہو پہنچایا جائے اس لیے ان کا کردار ایک مترجم ہی کا ہے۔

جہاں تک ترجمے کے طریقہ کار کا تعلق ہے تو مترجم نے ترجمے کے کچھ حصے میں خود ایک راوی کے طور پر مصنف کے خیالات کو بیان کیا ہے اور کچھ حصے میں مصنف کے ذاتی و احادیات جمع متکلم صیغے کو برقرار رکھا ہے۔ سادہ اور مرکب کے تصورات کو سمجھانے کے لیے شطرنجی بساط کی جو مثال صفحہ ۱۲ پر پہلے پیراگراف میں

موجود ہے اس میں زیادہ تر جملے سطر بہ سطر، ماخذ متن کا ترجمہ ہیں جن میں ماخذ متن کے اسلوب اور لہجے کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور توضیحات کے طور پر اس میں کچھ اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ یہ پیرا گراف درج ذیل ہے:

"۔۔۔ تو کیا واقعی یہ شطرنجی بساط اپنی نوعیت میں قطعی پیچیدہ / مرکب ایک چیز نہیں ہے؟ سوال پر غالباً آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ہاں ٹھیک تو ہے یہ شطرنجی بساط (۳۲) بتیس سفید اور (۳۲) بتیس سیاہ چوکور خانوں پر مشتمل ایک مرکب / پیچیدہ شے ہے۔ مگر کیا ہم اور آپ اس شطرنجی بساط سے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتے کہ یہ تو ایک ایسی مرکب شے ہے جو نہ صرف یہ کہ سیاہ و سفید رنگوں پر مشتمل ایک مرکب ہے بلکہ ان رنگوں کے ساتھ ساتھ اس میں چوکور خانوں پر مشتمل ایک اسکیم / ڈیزائن بھی اسے مرکب یا پیچیدہ بناتا ہے۔ جی ہاں ٹھیک ہے ہم ایسا بھی یقیناً خیال کر سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ اگر شطرنجی بساط پر بعض بالکل ہی مختلف زاویہ نگاہ ڈالی جائے تو کیا آپ اس وقت بھی اس شطرنجی بساط کے بارے میں یہی خیال کریں گے کہ یہ اب بھی ایک قطعی مرکب یا پیچیدہ شے ہے؟ اس سابقہ سوال کے علی الرغم کیا ایک اور سوال یہ نہیں پیدا ہوتا کہ اس شطرنجی بساط پر بنے ہوئے چوکور خانے کا جو رنگ ہے کیا وہ اپنی نوعیت میں سادہ نہیں ہے؟ یا پھر یہ ایک اور سوال کہ اس چوکور خانے کا رنگ خالصتاً سفید یا خالصتاً زرد نہیں؟ غرض یہ کہ سوال کے بعد سوال یا اس کے بعد سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ جس کا ایک طومار سالگ جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس مرکب / پیچیدہ شے سے متعلق ایسا کبھی ممکن نہیں ہو پاتا کہ کوئی سوال اٹھایا ہی نہ جاسکے بلکہ اس کے برعکس سوال اندر سوال اٹھتا رہتا ہے۔ کبھی یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ یہ سفید رنگ آیا، اپنی نوعیت میں سادہ ہے یا پھر یہ سفید رنگ قوس قزح کے سات رنگوں پر مشتمل ایک مرکب یا پیچیدہ چیز ہے؟ سات رنگوں پر مشتمل

کسی مرکب یا پیچیدہ چیز پر بات اگر بہ فرض محال ختم ہو بھی جائے تو سوالات کا سلسلہ تو پھر بھی ختم ہو کے نہیں دیتا۔ اور پوچھنے والا رنگوں پر سوال اٹھانے کے بجائے یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا دو سینٹی میٹر کے طول پر مشتمل یہ چوکور خانہ سادہ نہیں ہے یا یہ کہ چوکور خانہ بجائے خود دو حصوں میں بٹا ہوا نہیں ہے اور اس کا ہر بٹا ہوا حصہ اپنے اپنے طول میں الگ الگ ایک سینٹی میٹر کا نہیں ہے؟ فرض کیجئے کہ اس شطرنج کی بساط کے چوکور خانوں کے رنگوں اور اس کے طول و عرض سے متعلق سوالات کا یہ لامتناہی سلسلہ بھی کسی نقطے پر پہنچ کر اختتام پذیر ہو جائے کہ جو ایک محال صورت حال ہے تو ایسی صورت میں بھی سوالات کا سلسلہ تو پھر بھی جاری رہ سکتا ہے اور وہ اس طرح جاری ہو سکتا ہے کہ کیوں نہ ہم اس تین سینٹی میٹر اور ایک سینٹی میٹر طول رکھنے والے چوکور خانے کے ایک تقسیم شدہ ٹکڑے کو مخالف سمت رکھ کر پیمائش کر دیکھیں اور

علیٰ ہذا القیاس؟" (14) (13)

اس مقالے کے ذیلی باب "ترجمہ نگاری: تعارف اور بنیادی مباحث" میں انگریزی سے اردو تراجم کے لیے جمیل جالبی نے ترجمہ کاری کے جس بہترین طریقے کا ذکر کیا ہے اس کے تناظر میں درج بالا ترجمہ شدہ اقتباس میں قاضی قیصر الاسلام نے مصنف کے لہجے کی کھنک کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کا مزاج بھی برقرار رکھا ہے اور ترجمہ بھی اصل کے مطابق ہے۔ اس پیرا گراف کے علاوہ باقی سارا ترجمہ سطر بہ سطر نہیں ہے۔ مترجم نے ماخذ متن میں موجود خیالات کی ترتیب کو بھی قائم نہیں رکھا۔ مترجم نے اپنے خیال کے مطابق مصنف کے صرف بنیادی اور اہم ترین تصورات پر مشتمل جملوں کو ترجمہ کیا ہے اور ماخذ متن کے غیر اہم اور وضاحتی مباحث کا ترجمہ نہیں کیا۔ مترجم نے مسلسل توضیحات کا بھی استعمال کیا ہے مگر ترجمے اور توضیحات کو اس طرح ملا دیا ہے کہ دونوں کو الگ شناخت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ وضاحتی جملے درج ذیل ہیں:

"اپنی دورِ اول کی فکر کے برعکس ونگنسٹائن نے اپنی دورِ ثانی کی فکر کے حوالے سے یہ کہا کہ۔۔۔" (15)

"اس نے اس کتاب میں یہ استدلال کیا ہے کہ۔۔۔" (16)

"اس حوالے کو ایک دوسری مثال سے اور بہتر طور پر اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ذرا آپ ایک شطرنجی بساط کو ہی اپنے پیش نظر رکھیے"۔۔۔ (۱۷)

ایک پیرا گراف مکمل طور پر صرف توضیحی ہے:

"گویا مذکورہ بالا دو مثالوں سے۔۔۔ وٹکنسٹائنی فکر سے اخذ کیا ہے۔" (18)

اس تحریر میں صفحہ ۱۰ کی پہلی ۶ سطور اور صفحہ ۱۳ کا پہلا پیرا گراف ماخذ متن کا ترجمہ نہیں ہیں بلکہ اس ترجمے کے تناظر میں مباحث کے سیاق و سباق اور پس منظر کو واضح کر رہے ہیں۔

قاضی قیصر الاسلام نے linguistic expression کے لیے "لسانی اظہاریہ" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ یہاں لفظ "اظہاریہ" expression کے لیے استعمال ہونے والے دیگر الفاظ "اظہار"، "ترکیب"، "کلمہ"، "اسلوب بیان" اور "فقرہ" کی نسبت زیادہ معنی خیز اور دلکش ہے۔ (20) (19)

مترجم نے "working of language" کو اردو میں زبان کی کارآوری کہا ہے۔ یہاں "کارآوری" کی اصطلاح دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ "limit of language" کے لیے "زبان کا منتہی" موزوں ترکیب ہے۔ composite کا ترجمہ مترجم نے "پچیدہ / مرکب" کیا ہے۔ اس تحریر میں کئی مقامات پر ایسا کیا گیا ہے کہ سلیش ڈال کر کسی انگریزی لفظ کے دو ممکنہ تراجم درج کیے گئے ہیں۔ ترجمے میں دونوں ممکنہ مفہیم لکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی کے دونوں (یا دو سے زیادہ) شیڈ سامنے آتے ہیں تاہم اس سے الجھاؤ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ قاضی قیصر الاسلام نے وٹکنسٹائن کے دورِ ثانی کے لسانی مباحث کے ترجمے اور توضیح میں جہاں دو یا تین ممکنہ تراجم درج کیے ہیں وہاں نہ تو تحریر کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے نہ ہی بات میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اسی نوعیت کے دیگر تراجم میں: معنی / مفہوم، جانکاری / واقفیت، مطلق / قطعی، اسکیم / ڈیزائن، معاملہ / واقعہ، جامد / اٹل، معاملہ / ماجرا / واقعہ، واقعات / تصورات، شامل ہیں۔ اس تحریر میں "visual image" کا ترجمہ "بصری امیج" اور "chessboard" کا ترجمہ "شطرنجی بساط" کرنا مرکب سازی کی وہ عمدہ صورت ہے جہاں ابلاغ بھی فوری اور مکمل رہتا ہے اور لفظی اور صوتی حسن بھی برقرار رہتا ہے۔

قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں:

"اس نظریے کی بنیاد" اساس "سینٹ آگسٹائن کی اس مجوزہ فکر پر استوار ہوئی ہے جسے وہ "کھیل کا تسمیہ" کہتا ہے۔" (21)

اس جملے میں "بنیاد" کا لفظ اضافی ہے اور "کھیل کا تسمیہ" کی ترکیب کوئی واضح مفہوم نہیں دیتی۔ حاشیے میں مصنف نے اس ترکیب کے لیے naming کا لفظ لکھا ہے جس سے واضح ہے کہ وہ آگسٹائن کے اشیا کو نام دینے کے تصور کی بات کر رہے ہیں اور "Philosophical Investigations" میں آگسٹائن کا اشیا کو نام دینے کا تصور ہی زیر بحث آیا ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ مصنف نے یہاں پر "تسمیہ" کو naming کے مفہوم میں لکھا ہو جسے کمپوزر نے "کھیل کا تسمیہ" بنا دیا ہے۔ اس کتاب میں کمپوزنگ کی کافی اغلاط موجود ہیں جو پروف ریڈنگ کے عمل میں درست نہیں ہو پائیں۔

"word as an instrument" کا ترجمہ یہاں پر "لفظ بطور ایک آلہ کار" کیا گیا ہے۔ محض "آلہ" یا "اوزار" کے بجائے یہاں "آلہ کار" زیادہ معنی خیز اور صوتی و معنوی حسن رکھتا ہے جو وٹکنسٹائن کے زبان کو ایک "سرگرمی" اور "فعلیت" کے طور پر دیکھنے کے تصور کو واضح کرتا ہے۔ لغت میں "آلہ کار" کا لفظی مفہوم "جس کے ذریعے کام نکالا جائے" ہے۔ (22)

قاضی قیصر الاسلام کے اس ترجمے کو اگر یو جین نیڈا کے ترجمے میں مساوات (equivalence) کے حصول کے تصور کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس ترجمے میں رسمی (formal) مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی مواد اور ہیئت دونوں میں پیغام پر توجہ مرکوز کی گئی ہے تاکہ قاری ماخذ زبان کے سیاق و سباق کو زیادہ سے زیادہ سمجھ سکے۔ متحرک (dynamic) مساوات یہاں اس لیے اہم نہیں ہے کہ اس نہایت سنجیدہ علمی نثر میں پیغام کی ترسیل زیادہ اہم ہے نہ کہ وصول کنندہ پر اس کا یکساں اثر کرنا۔

قاضی جاوید کے ترجمے کے تجزیے کے دوران فلسفیانہ متون کے مترجمین کو پیش آنے والی جس دہری مشکل کا ذکر کیا گیا وہ اس ترجمے میں قاضی قیصر الاسلام کو بھی درپیش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آسان اور واضح مفہوم اور اسلوب کے حامل مباحث ہی کو ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔

قاضی قیصر الاسلام کی علمیت، موضوع کا واضح اور وسیع فہم، زبان پر گرفت اور تخلیقی و اختراعی مزاج نے اس ترجمے کو منفرد بنا دیا ہے۔

قاضی قیصر الاسلام نے زیادہ تر الفاظ کے انگریزی مآخذ اور مترادفات کا اندراج فٹ نوٹ میں کر دیا ہے جس سے تفہیم کا عمل آسان ہو گیا ہے۔ ان کا انداز بیان سادہ، رواں اور مؤثر ہے۔ کتاب کے موضوع اور ضخامت کے پیش نظر یہ کتاب اس موضوع پر تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ مترجم نے بہت کم الفاظ میں ایک پیچیدہ موضوع کے مرکزی نقطے کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ مترجم کے لیے مشکل یہ تھی کہ تحریر کا اختصار بھی برقرار رہے اور اس پیچیدہ موضوع کی بنیادی باتوں کو قابل فہم علمی انداز میں بھی پیش کیا جائے۔ نئے قاری کے لیے یہ اس قدر دلچسپ ضرور ہے کہ اسے اس موضوع کے بارے میں مزید غور و فکر اور مطالعے کی طرف راغب کرے۔ لسانیاتی تحلیل جیسے پیچیدہ موضوع کے اردو ترجمے اور توضیح کی یہ ابتدائی کاوش اختصار کے باوجود لائق تحسین اور آنے والے مترجمین و شارحین کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے۔

ترجمہ بطور ڈی کنسٹرکشن کے حوالے سے Dr. Dominador L. Pagliawan کا کہنا ہے کہ مترجمین چاہے جو بھی کریں مگر ایسا ہدفی متن نہیں بنا سکتے جو بالکل ماخذ متن جیسا ہو۔ ترجمہ جیسے بھی کریں اس میں کوئی نہ کوئی ایسی تبدیلی ضرور آجاتی ہے جس سے اصل متن سے وفاداری ممکن نہیں رہتی تاہم اس سے ترجمے کی غیر معمولی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ترجمے کو ایک مایوس کن عمل کے بجائے فن کی ایک صورت، خاص طور پر ایک تنقیدی اور تخلیقی تحریر کے طور پر دیکھا جائے۔ مترجمین کو مایوسی اور پچھتاوے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بہر حال خود ایسے فنکار ہیں جو ترجمے پر کام کا آغاز کرتے ہیں مگر ڈی کنسٹرکشن پر اختتام کرتے ہیں۔ ترجمہ ردِ تشکیلیت کی ایک صورت ہے۔ ترجمے کی کارگزاری میں ڈی کنسٹرکشن کے اصول اور طریقے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ترجمے کا عمل ماخذ اور ہدفی متن دونوں میں ڈی کنسٹرکشن کر رہا ہوتا ہے۔ ڈی کنسٹرکشن کی پناہ میں آکر ترجمہ بے وقعت نہیں ہوتا، اگرچہ یہ ہو بہو اصل جیسا ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن ایک فن اور الگ صنف کے طور پر اپنا جائز مقام حاصل کر سکتا ہے جسے تخلیقی مراعات اور فنکارانہ آزادی کا حق حاصل ہے۔ (23)

قاضی جاوید کا ترجمہ ہو یا قاضی قیصر الاسلام کا ترجمہ دونوں مترجمین نے مکمل ماخذ متن کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنی مرضی کے مطابق ماخذ متن کے کچھ پہلو منتخب کر کے انہیں ترجمہ کیا ہے۔ دونوں مترجمین نے ہدفی متن میں ماخذ متن کے مباحث کی ترتیب کو بھی برقرار نہیں رکھا۔ دونوں کا ترجمہ کہیں سطر بہ سطر ہے تو کہیں معنی بہ معنی ہے، کہیں صرف مصنف کی بات کو اہمیت دی گئی ہے تو کہیں بات کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اصطلاح سازی، الفاظ اور اسلوب بیان کے انتخاب کے حوالے سے دونوں تراجم مترجمین کے اپنے جمالیاتی ذوق اور اختراعی طبیعت کا پتہ بھی دیتے ہیں۔ دونوں منتخب تراجم میں ترجمے کے جامد روایتی تصور سے جو انحراف نظر آتا ہے اس کو ردِ تشکیلیت کے تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۴
2. Wittgenstein, Ludwig. *Philosophical investigations*. Trans. P. M. S. Hacker and Joachim Schulte G. E. M. Anscombe. 4th. Oxford: Blackwell, 2009. section 225 of PI, p.98 (اقتباس کے انگریزی متن کا حوالہ)
۳. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۱۱۹
۴. ایضاً، ص ۱۱۶
۵. ایضاً، ص ۱۲۱، ۱۲۰
۶. ایضاً، ص ۱۱۹
۷. ایضاً، ص ۱۲۳
۸. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۱۷ء،
<http://udb.gov.pk/index.php> ۲۱ فروری ۲۰۲۱ء، 08:50 AM
۹. سی اے قادر / اکرام رانا (مترجمہ و مؤلفہ)، کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۲۷
10. VÂRLAN, Cecilia-Iuliana. "Difficulties and constraints in translating philosophical texts. Mechanisms of reception and the (in)stability of meaning." *Diversité et Identité Culturelle en Europe* 11.2 (2014): 69-82. pdf. 15 November 2020.
https://www.diversite.eu/pdf/11_2/DICE_11.2_Full_Text_p69-p82-Cecilia-Iuliana-VARLAN.pdf
۱۱. قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، ص ۱۱۶
۱۲. سی اے قادر، (دیباچہ) جدید مغربی فلسفہ از قاضی جاوید، ۱۹۹۷ء، ص ۹

۱۳. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، ص ۱۲
14. Wittgenstein, Ludwig. *Philosophical investigations*, p.26-27 (اقتباس
کے انگریزی متن کا حوالہ)
۱۵. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، ص ۱۰
۱۶. ایضاً، ص ۱۱
۱۷. ایضاً، ص ۱۲
۱۸. ایضاً، ص ۴۷
۱۹. قومی انگریزی اردو لغت (آن لائن)، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء،
<http://nlpd.gov.pk/lughat/index.php> ۲۷ مارچ ۲۰۲۱ء، 02:13PM،
۲۰. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۱۷ء، ۲۷ مارچ ۲۰۲۱ء، ۰۲:۱۵PM،
۲۱. قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، ص ۴۷
۲۲. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۱۷ء، ۲۷ مارچ ۲۰۲۱ء، 09:00PM،
23. Pagliawan, Dominador L.. "Translation as Deconstruction: Infidelity in the Translation Process." *International Journal of Comparative Literature and Translation Studies* [Online], 5.2 (2017): 19-24. Web. 3 May. 2021.

باب چہارم:

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث: منتخب اردو تراجم میں زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ

قاضی جاوید نے اپنی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" اور قاضی قیصر الاسلام نے اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے ایسے منتخب لسانی مباحث کو اردو میں منتقل کیا ہے جو ان کے نزدیک اہم ترین اور بنیادی تھے اور با آسانی ترجمہ ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں موجود منتخب تراجم میں "Philosophical Investigations" کے کچھ لسانی مباحث کلی طور پر زیر بحث نہ آ سکے اور کچھ لسانی مباحث کی اہم جزئیات زیر بحث نہ آ سکیں۔ مقالے کے اس باب میں انہیں زیر بحث نہ آنے والے مباحث اور جزئیات کو تلاش کر کے بیان کیا جا رہا ہے تاکہ اردو میں "Philosophical Investigations" کی لسانی مباحث کے فہم کے دائرے کو وسیع کیا جا سکے۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث، دونوں منتخب اردو تراجم میں جزوی طور پر منتقل ہوئے ہیں اس لیے ان تراجم کو پڑھنے کے بعد جب ان کے ماخذ متن کو پڑھا جاتا ہے تو یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کے لسانی مباحث کے اردو تراجم میں زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں یا ان کی جزئیات کو بھی اردو میں منتقل ہونا چاہیے تاکہ اردو کے قارئین کے ذہن میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کی مکمل تصویر بن سکے۔ اس مقالے کا یہ باب اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اس باب میں جن پہلوؤں کا کھوج لگایا گیا ہے وہ منتخب اردو تراجم کے خلا کو پر کر کے اردو کے قارئین کے لیے "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کی مکمل تصویر بنانے اور مؤثر تفہیم پیدا کرنے کا سبب بنیں گے۔

"جدید مغربی فلسفہ" اور "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلو اور جزئیات درج ذیل ہیں:

سیکشن ۱: وٹگنسٹائن کے بقول سینٹ آگسٹین زبان کے جوہر کی ایک خاص تصویر فراہم کرتا ہے جس میں الفاظ اشیا کو نام دیتے ہیں اور جملے ایسے ناموں کا مجموعہ ہیں۔ ہر لفظ کا ایک معنی ہوتا ہے جو لفظ سے ہم رشتہ (correlate) ہوتا ہے۔ یہ معنی وہ معروض (object) ہے جس کی لفظ نمائندگی کرتا ہے۔

وٹگنسٹائن نے سینٹ آگسٹین کے درج بالا نقطہ نظر پر تنقید کے ذریعے اپنے نقطہ نظر کی تشکیل اور وضاحت کی ہے۔

سیکشن ۵: اس سیکشن میں زبان کی سادہ شکلوں (primitive forms of language) کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے استعمال کی ایک صورت یہ بتائی گئی ہے کہ جب کوئی بچہ بولنا سیکھتا ہے تو وہ زبان کی سادہ شکلیں استعمال کرتا ہے اور یہاں زبان سکھانا، وضاحت کرنا نہیں ہے، بلکہ مہارت سکھانا ہے۔

سیکشن ۶، ۷: وٹگنسٹائن نے درشتی تعلیم (ostensive teaching) کے، اور تعریف (definition) یا درشتی وضاحت (ostensive explanation)، کے درمیان فرق کیا ہے۔ درشتی تعلیم وہ تربیتی عمل ہے جس کے ذریعے بچوں کو ابتدائی طور پر اشیا کے نام سکھائے جاتے ہیں جب وہ ابھی اس قابل نہیں ہوتے کہ یہ پوچھ سکیں کہ نام سے کیا مراد ہے۔ استاد اشیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طالب علم کی توجہ ان کی طرف مرکوز کرتا ہے اور اسی وقت ان کے نام پکارتا ہے اور طالب علم اس نام کو دہراتا ہے اور اسے یاد کرتا ہے۔ درشتی تعلیم کو، تعریف یا درشتی وضاحت سے اس طرح الگ کیا جاتا ہے کہ تعریف یا درشتی وضاحت کے عمل میں ہم پہلے سے اشیا کے ناموں سے واقف ہوتے ہیں جبکہ درشتی تعلیم کے عمل میں پہلی مرتبہ کسی شے کی طرف اشارہ کر کے ہمیں اس کے لیے استعمال ہونے والے لفظ سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ درشتی تعلیم کے ذریعے لفظ اور شے کے مابین ایک تلازمی رشتہ (associative connection) قائم ہوتا ہے۔

سیکشن ۱۱: جب ہم الفاظ کو بات چیت میں سنتے ہیں یا انہیں لکھا ہوا یا مطبوعہ دیکھتے ہیں تو ان کی ظاہری شکل ہمیں الجھن میں ڈالتی ہے کیونکہ ان کا استعمال اتنا واضح نہیں ہوتا، خصوصی طور پر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ہم فلسفہ کر رہے ہوتے ہیں۔

سیکشن ۱۲: زبان میں مختلف قسم کے الفاظ ہوتے ہیں اور ہم درجہ بندی کے مقاصد اور اپنے میلانات کو سامنے رکھتے ہوئے الفاظ کی، مختلف اقسام میں، گروہ بندی کرتے ہیں۔

سیکشن ۳۶: وٹکنسٹائن مختلف لسانی کھیلوں کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ کسی شے کی شکل کی طرف اشارہ کرنا بھی ایک منفرد لسانی کھیل ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ وہ تمام معاملات جن میں ہم شکل کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان میں ہم کسی ایک بھی جسمانی عمل کو مخصوص نہیں کر سکتے جسے ہم شکل کی طرف اشارہ کرنا کہہ سکیں بلکہ ہم اسے ایک ذہنی اور روحانی سرگرمی قرار دیتے ہیں جو ان الفاظ سے مطابقت رکھتی ہے جنہیں ہم شکل کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

وٹکنسٹائن کے بقول جہاں پر ہماری زبان کسی جسم کی موجودگی کو تجویز کرتی ہو مگر وہاں کوئی جسم موجود نہ ہو تو ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ وہاں ایک روح ہے: یہاں پر وٹکنسٹائن نے لسانی کھیلوں میں لفظ "روح" کے استعمال کی ایک صورت کی وضاحت کی ہے۔

سیکشن ۴۰: اگر ہم لفظ "معنی" کو اس شے پر دلالت کے لیے استعمال کریں جو اس لفظ سے "مطابقت رکھتی ہو" تو یہ زبان کا ناقص استعمال ہو گا۔ ایسا کرنا نام کے معنی کو نام کے حامل کے ساتھ الجھانا ہے۔ جب مسٹر این این مرتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ نام کا حامل مر گیا ہے، نہ کہ نام کا معنی مر گیا ہے۔ اور ایسا کہنا مہمل ہو گا، کیونکہ اگر اس نام کے معنی ختم ہو گئے تو یہ کہنے کا کوئی مطلب نہیں ہو گا کہ "مسٹر این این مردہ ہے"۔

سیکشن ۴۹: زبان میں "نام دینا" اور "وضاحت کرنا یا بیان کرنا" ایک جیسا مرتبہ نہیں رکھتے۔ نام دینے کا عمل بیان کرنے کے عمل کی تیاری ہے۔ اگر ہم کسی لسانی کھیل میں "نام دینا" اور "بیان کرنا" کے اعمال کو شطرنج کے کھیل میں مہروں کی چالوں کی مانند قرار دیں تو ہم انہیں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ ایک لسانی کھیل میں نام دینا اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنا شطرنج میں بساط پر کسی مہرے کو اس کی جگہ پر رکھنا: یعنی نام

دینا ایسا ہی ہے جیسے ہم نے مہرے کو ابھی اس کی جگہ پر رکھا ہے مگر ابھی چال نہیں چلی اور بیان کرنے کا عمل چال چلنے کے مترادف ہے۔ پہلے ہم کسی مہرے کو اس کے مقام پر رکھتے ہیں اور پھر اس مقام سے چال کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں یعنی نام دینا، بیان کرنے کی تیاری ہے۔ "زبان میں کسی عنصر کو محض نام دیا جاتا ہے، اس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔" اس قضیے کی وضاحت و ٹکنسٹائن اس طرح کرتا ہے کہ "وضاحت کرنا یا بیان کرنا" وہ عمل ہے جس میں کسی لسانی کھیل کے اندر اس عنصر کو دیے گئے نام کے استعمال کی وضاحت کی جاتی ہے۔ وضاحت یا بیان کے ذریعے عنصر کی ماہیت کو بیان نہیں کیا جاتا بلکہ لسانی کھیل کے اندر اس کو دیے گئے نام کے کردار کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس پس منظر کو سامنے رکھیں تو فریگر کی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی لفظ صرف کسی جملے کے تناظر میں معنی رکھتا ہے۔

سیکشن ۵۰: جب ہم کہتے ہیں کہ: "ہم 'وجود' اور 'عدم وجود' کو عناصر سے منسوب نہیں کر سکتے"، تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی لسانی کھیل میں "ہونا" یا "نہ ہونا" کے الفاظ کے مخصوص کردار کو نشان زد کر رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی شے موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اس شے کو دیے گئے نام کو اس لسانی کھیل میں استعمال نہیں کر سکتے۔

جب ہم معیاری میٹر کو پیمائش کے لیے یا رنگ کے کسی معیاری نمونے کو رنگ کی وضاحت کے لیے استعمال کرتے ہیں تو یہ معیاری نمونے زبان میں ایک آلے کی طرح کام کرتے ہیں اور لسانی کھیل میں یہ نمونے اس کی نمائندگی نہیں کرتے جس کے یہ نمونے ہیں بلکہ نمائندگی کا ایک ذریعہ ہیں۔ بالکل اسی طرح الفاظ بھی عناصر کی نمائندگی کا ایک ذریعہ ہیں۔ یہ نام ہمارے لسانی کھیل میں ایک پیراڈائم کی حیثیت رکھتے ہیں جو موازنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ ہم لسانی کھیل میں کرتے ہیں اور یہ ہمارا نمائندگی کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

سیکشن ۵۴: اگر ہم ایسے معاملات پر غور کریں جن میں کوئی کھیل کسی خاص اصول کے مطابق کھیلا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصول کھیل کو سکھانے میں معاون ہو سکتا ہے اور سیکھنے والے کو اصول بتا کر اس کے استعمال کی مشق کروائی جاتی ہے یا پھر اصول خود کھیل کا ایک آلہ ہے یا پھر ایک اصول سے نہ تو

سکھانے میں کام لیا جاتا ہے اور نہ کھیلنے میں اور نہ ہی اسے اصولوں کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے بلکہ کوئی یہ دیکھ کر کھیل سکتا ہے کہ دوسرے اس کھیل کو کیسے کھیلتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کھیل کو فلاں فلاں اصول کے تحت کھیلا جاتا ہے کیونکہ مشاہدہ کرنے والا کھیل کھیلے جانے کے انداز سے اصولوں کو پڑھتا ہے جیسے یہ کھیل کو چلانے والا کوئی قدرتی قانون ہو۔ مشاہدہ کرنے والا کھلاڑی کی غلطیوں اور صحیح کھیل کے درمیان کھلاڑی کے طرزِ عمل کے ذریعے تمیز کرتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے کسی ایسے شخص کے طرزِ عمل پر غور کریں جو زبان کی پھسلن کو درست کر رہا ہو۔ اگر ہم اس کی زبان نہ بھی جانتے ہوں تب بھی ہم اس کی اس درستی کو پہچان لیں گے۔

یہاں وٹکنسٹائن نے "اصول" کے اطلاق کی مختلف صورتوں کی وضاحت اس پس منظر میں کی ہے کہ ایک لسانی کھیل میں جسے اصول کہا جاتا ہے اس کے کھیل میں کئی طرح کے کردار ہو سکتے ہیں۔

سیکشن ۵۵، ۵۷: جو کچھ بیان کے لفظ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے وہی اس کو معنی دیتا ہے۔ ایک شخص ہی وہ ہستی ہے جو اپنے نام سے مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن یہ شخص ٹوٹ کر بکھر سکتا ہے اور اس طرح اس کے نام کو اپنا معنی کھو دینا چاہیے جب اس کا حامل موجود نہیں رہا مگر اس کا نام اپنا معنی نہیں کھوتا۔ یہ وہ پیراڈائم ہے جو ایک لسانی کھیل میں ایک نام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز کی مثال ہے جو نام سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے بغیر نام کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

یہاں وٹکنسٹائن اس اہم نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ جب نام کا حامل معروض اپنا وجود کھو دیتا ہے تب بھی اس کا نام اپنا معنی برقرار رکھتا ہے کیونکہ معنی کا تعین اس پیراڈائم سے ہوتا ہے جو کسی نام کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ کوئی بھی نام اس وقت تک با معنی رہتا ہے جب تک اس کے ساتھ مطابقت رکھنے والا پیراڈائم موجود رہے۔ نام کے با معنی ہونے یعنی کسی لسانی کھیل میں قابل استعمال ہونے کے لیے اس کے حامل کا موجود ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس سے مطابقت رکھنے والے پیراڈائم کا وجود شرط ہے۔

اگر ہم کسی رنگ کے نام کو بھول جائیں تو یہ ہمارے لیے اپنا معنی کھودیتا ہے، یعنی اب ہم اس قابل نہیں رہے کہ اس کے ساتھ ایک مخصوص لسانی کھیل کھیل سکیں۔ اس صورت حال کا موازنہ ایسی صورت حال سے کیا جاسکتا ہے جس میں ہم نے ایک پیراڈائم کو کھودیا جو ہماری زبان کا ایک اوزار تھا۔

سیکشن ۸۱: منطق زبان پر — یا سوچ پر — ان معنوں میں بات نہیں کرتی جن معنوں میں ایک نیچرل سائنس کسی قدرتی مظہر پر بات کرتی ہے۔ یہ درست نہیں ہے کہ بولنا، مراد لینا یا سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی معین اصولوں کے مطابق ایک احصا (calculus) سرانجام دے رہا ہو۔ یہ بات تب واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے جب سمجھنے، کچھ مراد لینے اور سوچنے کے تصورات بڑے درجے میں کسی پر واضح ہو جاتے ہیں۔

سیکشن ۸۵: ایک اصول اسی طرح ہماری رہنمائی کرتا ہے جس طرح راستے پر سائن پوسٹ کوئی سمت طے کرنے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اس کی تشریح کئی طرح سے کی جاسکتی ہے اور بعض اوقات یہ شک کے لیے بھی جگہ چھوڑ دیتی ہے۔ ایک اصول کس طرح ہماری رہنمائی کرتا ہے یہ ایک فلسفیانہ قضیہ نہیں بلکہ ایک تجربی قضیہ ہے۔

سیکشن ۸۷: وٹکنسٹائن یہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح ایک وضاحت سمجھنے کے عمل میں ہماری مدد کرتی ہے۔ ہمیں ایک وضاحت کے لیے کسی دوسری وضاحت کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب وہ کسی غلط فہمی سے ہمیں بچائے۔ ایک وضاحت کسی غلط فہمی کو دور کرنے یا روکنے میں مدد فراہم کرتی ہے جو اس کے نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہوگی۔ کوئی سائن پوسٹ اگر معمول کی صورت حال میں اپنے مقصد کو پورا کر رہی ہو تو وہ صحیح جگہ پر ہے۔

سیکشن ۸۸: قطعیت کا انحصار مقصد پر ہوتا ہے۔ جو بات زیادہ کامل حیثیت سے اپنا مقصد حاصل کرے وہ زیادہ قطعی ہوتی ہے۔

قطعیت کے لیے کسی ایک بھی آئیڈیل کا تصور نہیں کیا گیا ہے اس لیے ہم نہیں جانتے کہ ہم اس خیال کو کیا کہیں — جب تک کہ آپ خود اس بات کا تعین نہ کریں کہ کس چیز کو ایسا کہا جائے۔ لیکن آپ کو ایسا تعین کرنے میں مشکل ہوگی، جو آپ کو مطمئن کرے۔

سیکشن ۸۹: ہمیں ایسا لگتا ہے کہ منطق ایک عجیب گہرائی اور آفاقی معنویت کی حامل کوئی ارفع چیز ہے کیونکہ منطقی تفتیش کے ذریعے اشیا کا جوہر دریافت کرنے اور ان کی بنیادوں تک دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاہم ایسا نہیں ہے۔ منطق کو اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ چیزیں واقعتاً کیسی ہیں۔ اسے فطرت کے حقائق سے دلچسپی نہیں ہوتی نہ ہی اس لیے ہوتی ہے کہ علتی روابط کو سمجھے بلکہ ہر تجربی چیز کی بنیادوں، اور جوہر کو سمجھنے کی ترغیب کے تحت ہوتی ہے۔ تاہم، ایسا نہیں ہے کہ اس مقصد کے لیے ہمیں نئے حقائق تلاش کرنا پڑیں؛ بلکہ، ہماری تفتیش کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے ذریعے کچھ نیا سیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم کسی ایسی چیز کو سمجھنا چاہتے ہیں جو پہلے ہی واضح دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ ہمیں لگتا ہے کہ یہ وہ ہے جسے ہم ایک طرح سے سمجھ نہیں پائے ہیں۔

آگسٹین کہتا ہے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وقت کیا ہے لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ وقت کیا ہے؟ تو وہ سمجھانے سے قاصر ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو ذہن میں لانا پڑتا ہے اور یہ واضح طور پر ایک ایسی چیز ہے جسے، کسی وجہ سے، ذہن میں لانا مشکل ہے۔ قدرتی سائنس کے کسی سوال کے بارے میں ایسا نہیں کہا جاسکتا جیسے "ہائیڈروجن کی کثافت اضافی کیا ہے؟"

سیکشن ۹۰ تا ۹۷: جب ہم مظاہر کی ماہیت کے بارے میں بیانات دیتے ہیں تو یہ تفتیش دراصل گریمر سے متعلق ہوتی ہے جس کا مقصد الفاظ کے استعمال سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کر کے ہمارے مقصد پر روشنی ڈالنا ہے۔ اس کو "اظہار کا تجزیہ کرنا" کہا جاسکتا ہے۔ ہم اپنے اظہارات کو زیادہ exact بنا کر غلط فہمیوں کو ختم کرتے ہیں۔ اب ہمارا مسئلہ جو شکل اختیار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ "جوہر ہم سے پوشیدہ ہے" اور ہم پوچھتے ہیں: "زبان کیا ہے؟"، "ایک قضیہ کیا ہے؟" اور ان سوالوں کا جواب قطعی طور پر دیا جاتا ہے۔

جب کوئی یہ کہتا ہے کہ "ایک قضیہ ایک بہت ہی غیر معمولی چیز ہے!" تو وہ واضح طور پر یہ دیکھنے اور سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا کہ قضیات کس طرح کام کرتے ہیں کیونکہ قضیات اور افکار کے بارے میں بات کرنے میں ہم اظہارات کی جو اقسام استعمال کرتے ہیں وہ اس کے راستے میں کھڑی ہیں۔ جب ہم قضیات کو غیر معمولی چیزیں کہتے ہیں تو اس بیان سے ہماری منطق کی ساری داستان سامنے آتی ہے جو غلط فہمی پر مبنی ہے۔

منطق میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ خود کو قضیاتی علامت اور حقائق کے مابین خالص ایجنٹ (intermediary) فرض کرتی ہے اور خود علامت کو خالص اور ارفع بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمارے اظہار کی اقسام ہمیں ہر طرح کے طریقوں سے یہ دیکھنے سے روکتی ہیں کہ ان سے کوئی غیر معمولی چیز وابستہ نہیں ہے۔

جب ہم اشیا کے بارے میں بیانات دیتے ہیں تو اشیا کی حقیقت بتانے کے بجائے ان کی مشابہتوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔

مختلف التباسات کے شامل ہونے سے فکر، زبان، اب ہمیں دنیا کی انوکھی باہم متعلق، تصویر، کے طور پر دکھائی دیتی ہے۔ یہ تصورات: قضیے، زبان، فکر، دنیا، ایک دوسرے کے پیچھے لائن میں کھڑے ہوتے ہیں، یہ سب ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ لیکن یہ الفاظ اب کس لیے استعمال ہونگے؟ کیونکہ وہ لسانی کھیل غائب ہے جس میں ان کا اطلاق ہونا ہے۔

ہم اس التباس میں ہیں کہ ہماری تفتیش میں ہمارے لیے جو انوکھا، گہرا اور ضروری ہے وہ زبان کے ناقابل موازنہ جوہر کو سمجھنے کی کوشش میں موجود ہے۔ یعنی، قضیہ، لفظ، استخراج، سچائی، تجربہ وغیرہ کے تصورات کے درمیان موجود ترتیب۔ یہ ترتیب گویا کہ سپر تصورات کے درمیان ایک سپر ترتیب ہے، جبکہ، حقیقت میں، اگر "زبان"، "تجربہ"، "دنیا" کے الفاظ کا کوئی استعمال ہے، تو یہ لازماً اتنا ہی کم حیثیت ہوگا جتنا "میز"، "چراغ"، "دروازہ" کے الفاظ کا استعمال۔

سیکشن ۱۰۸ تا ۱۰۹: وگنسنسٹائن نے پچھلے سیکشن کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ایک طرف، یہ بات واضح ہے کہ ہماری زبان میں ہر جملہ 'جیسا ہے وہی اس کی ترتیب ہے'۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ، ہم کسی آئیڈیل کو حاصل کرنے کی جدوجہد نہیں کر رہے، گویا ہمارے عام غیر واضح جملے کو ابھی تک کوئی بالکل ناقابل اعتراض مفہوم نہیں ملا، اور ابھی بھی ایک کامل زبان ہمیں ہی تعمیر کرنی پڑے گی۔ دوسری طرف، یہ بات واضح معلوم ہوتی ہے کہ جہاں مفہوم ہے، وہاں لازماً کامل ترتیب ہونی چاہیے۔ لہذا سب سے زیادہ غیر واضح جملے میں بھی کامل ترتیب ہونی چاہیے۔

کسی جملے کا ایک معین مفہوم ضرورت ہونا چاہیے۔ ایک غیر معین مفہوم، واقعتاً بالکل بھی مفہوم نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایک حد جس کا واضح طور پر تعین نہیں کیا گیا ہے واقعی کسی بھی صورت میں ایک حد نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ واقعی سچ ہے؟

اگر اصولوں میں کچھ ابہام ہو تو کیا ایک کھیل، کھیل نہیں رہے گا۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ شاید آپ اسے ایک کھیل کہیں یا پھر یہ کامل کھیل نہیں ہے یا یہ کھیل بگڑ چکا ہے۔ ہم اپنی زبان میں آئیڈیل کے کردار کو غلط سمجھتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ: ہم بھی اسے ایک کھیل کہتے، لیکن آئیڈیل نے ہمیں خیرہ کر دیا ہے، اور اس لیے ہم لفظ "کھیل" کے حقیقی اطلاق کو واضح طور پر دیکھنے میں ناکام ہیں۔

ہم کہنا چاہتے ہیں کہ منطق میں کوئی ابہام نہیں ہو سکتا۔ اب یہ خیال ہمیں منہمک کر لیتا ہے کہ آئیڈیل "ضرور" حقیقت میں واقع ہونا چاہیے۔ ابھی تک کوئی بیک وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ یہ وہاں کیسے واقع ہوتا ہے، اور اس "ضرور" کی نوعیت کو نہیں سمجھتا۔ ہم سوچتے ہیں کہ آئیڈیل کو حقیقت میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم اپنے خیال میں اسے پہلے ہی وہاں دیکھتے ہیں۔

کسی قضیے کی منطقی تعمیر کے لئے سخت اور واضح اصول کسی ایسی چیز کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں جو پس منظر میں ہو۔ جو فہم کے وسیلے (medium) میں پوشیدہ ہو۔ میں ان کو پہلے ہی دیکھ چکا ہوں (اگرچہ ایک وسیلے کے ذریعے)، کیونکہ میں اس علامت کو واقعی سمجھتا ہوں، میں اس سے کچھ مراد لیتا ہوں۔

یہ آئیڈیل، جب ہم اس کا تصور کرتے ہیں، غیر متزلزل ہے۔ آپ اس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ آپ کو ہمیشہ واپس مڑنا پڑتا ہے۔ یہاں کوئی بیرون نہیں ہے؛ باہر آپ سانس نہیں لے سکتے۔ ایک خیال ہماری ناک پر عینک کی طرح ہے جس کے ذریعے ہم جس پر بھی نظر ڈالتے ہیں اسے دیکھتے ہیں۔ ہمیں کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کو اتاریں۔

ایک شخص اس چیز کا اثبات کرتا ہے جو نمائندگی کے طریقے میں موجود ہوتی ہے۔ ہم موازنے کے اس امکان کو لیتے ہیں، جو ایک انتہائی عمومی صورت حال کے فہم کے طور پر ہمیں متاثر کرتا ہے۔

جب ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں لازماً آئیڈیل کو اپنی زبان میں تلاش کرنا ہے تو ہم "جملے"، "الفاظ"، "علامات" کے بارے میں عدم اطمینان کا شکار ہو جاتے ہیں۔

منطق جس لفظ اور جملے کا استعمال کرتی ہے ان کو خالص اور واضح متعین معنی کا حامل ہونا چاہیے، اور اب ہم اصلی علامت کی نوعیت پر غور و فکر کرتے ہیں۔ کیا یہ علامت کا خیال ہو سکتا ہے؟ یا خیال ہے لمحہ موجود میں؟

یہاں اسے کامیابی سے جاری رکھنا مشکل ہے، گویا، یہ دیکھنا کہ ہمیں روزمرہ کی سوچ کے معاملات پر قائم رہنا چاہیے، اور غلط ٹریک پر نہیں پڑنا چاہیے، جہاں ایسا لگتا ہے کہ ہمیں انتہائی درجہ نزاکتوں کو بیان کرنا ہے، جنہیں ہم ایک بار پھر، اپنے پاس موجود ذرائع کی وساطت سے، بیان کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔ ہم یوں محسوس کرتے ہیں جیسے ہمیں اپنی انگلیوں کے ساتھ مکڑی کے ایک پھٹے ہوئے جالے کی مرمت کرنی پڑے۔

ہم جتنا زیادہ قریب سے اصل زبان کا جائزہ لیتے ہیں، اتنا ہی اس کے اور ہماری ضرورت کے مابین اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ منطق کا شفافیت کا حامل خالص پن، یقیناً، ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے میں نے دریافت کیا تھا: یہ ایک ضرورت تھی۔ اختلاف ناقابل برداشت ہو جاتا ہے؛ ضرورت اب بے معنی ہو جانے کے خطرے سے دوچار ہے۔ ہم پھسلواں برف پر چلے گئے ہیں جہاں رگڑ نہیں ہے، اور اس طرح، ایک خاص معنی میں، حالات مثالی ہیں؛ لیکن، صرف اس کی وجہ سے، ہم چلنے سے قاصر ہیں۔ ہم چلنا چاہتے ہیں: لہذا ہمیں رگڑ کی ضرورت ہے۔ اس لیے ہمیں واپس ناہموار زمین پر جانا پڑے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جسے ہم "قضیہ"، "زبان" کہتے ہیں، اس میں رسمی اتصال (formal unity) نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک دوسرے سے کم و بیش ملتی جلتی ساختوں کا ایک خاندان ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں اب منطق کا کٹر پن ختم ہو رہا ہے۔ — لیکن اس صورت میں کیا منطق یکسر ختم نہیں ہو جاتی؟ — کیونکہ منطق کس طرح اپنے کٹر پن کو گنوا سکتی ہے؟ ہمارے استدلال کے ذریعے اس کے سارے کٹر پن کا خاتمہ یقیناً نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنی اصلی ضرورت کے محور پر اپنی پوری تفتیش کا رخ موڑ کر ہی شفافیت کے حامل خالص پن کی پیش تصوری (preconception) کو ختم کر سکتے ہیں۔

فلسفہ، منطق، جملوں اور الفاظ کی بات جس مفہوم میں کرتا ہے وہ اس سے مختلف نہیں ہوتا ہے جس میں ہم عام زندگی میں ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم زبان کے مکانی اور زمانی مظہر کے بارے میں بات کر رہے ہیں، نہ کہ کسی لامکانی، لازمانی، لاوجود شے کے بارے میں۔ جب ہم شطرنج کے مہروں کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم ان کی جسمانی خصوصیات کو بیان نہ کرتے ہوئے ان کی چالوں کے اصول بیان کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ سوال کہ "اصل میں ایک لفظ کیا ہے؟" اس سوال سے مشابہ ہے کہ "شطرنج میں ایک مہرہ کیا ہے؟"

سیکشن ۱۱۰: یہ بات ایک توہم پرستی (غلطی نہیں!) ثابت ہوتی ہے کہ "زبان (یا سوچنا) کوئی انوکھی شے ہے۔" یہ توہم پرستی خود گریمر کے التباسوں (grammatical illusions) نے پیدا کی ہے۔ اور اب ان التباسوں اور مسائل میں مؤثریت پناہ ڈھونڈتی ہے۔

سیکشن ۱۱۱: ہماری زبان کی شکلوں کی غلط تشریح سے پیدا ہونے والے مسائل میں گہرائی کی صفت ہوتی ہے۔ یہ گہری بے تابیاں ہیں؛ یہ ہم میں ایسی ہی گہری جڑیں رکھتی ہیں جیسی ہماری زبان کی شکلیں، اور ان کی وقعت اتنی ہی زیادہ ہے جتنی ہماری زبان کی اہمیت۔ آئیے خود سے پوچھتے ہیں: ہم ایک قواعدی لطیفہ (grammatical joke) کا گہرا ہونا کیوں محسوس کرتے ہیں؟ (اور فلسفہ کی گہرائی یہی ہے۔)

سیکشن ۱۱۲ تا ۱۱۵: ایک تشبیہ جو ہماری زبان کی شکلوں میں جذب ہو چکی ہے وہ ایک نقلی حلیہ (false appearance) پیدا کرتی ہے جو ہمیں بے چین کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: "لیکن یہ اس طرح نہیں ہے!"، "پھر بھی اس کو ایسا ہی ہونا ہے!"۔

"لیکن یہ ایسا ہی ہے۔۔۔۔۔" میں بار بار اپنے آپ سے کہتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے، اگر میں اس حقیقت کو صاف اور واضح دیکھنے کے لیے اس پر کامل انہماک کے ساتھ نگاہیں مرکوز کر سکتا، تو میں اس معاملے کے جوہر کو ضرور اپنی گرفت میں لے آتا۔

قضیے کی عمومی شکل کہ "چیزیں اسی طرح ہیں۔"، ایک ایسا قضیہ ہے جسے کوئی ان گنت بار خود اپنے ساتھ دہراتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ بار بار فطرت کا خاکہ اتار رہا ہے مگر دراصل وہ محض اس فریم کا خاکہ اتار رہا ہے جس کے ذریعے ہم اسے دیکھتے ہیں۔

ایک تصویر نے ہمیں اسیر کر دیا۔ اور ہم اس سے باہر نہیں نکل پاتے، کیونکہ یہ ہماری زبان میں دھری ہے، اور لگتا ہے کہ زبان صرف اسے غیر مبدل طور پر ہمارے سامنے دہراتی ہے۔

سیکشن ۱۱۹: فلسفے کے نتائج، واضح بے معنویت کے کچھ حصے کی دریافت ہیں اور زبان کی حدود کا سامنا کرتے ہوئے فہم کو لگنے والے ہچکولے ہیں۔ یہ ہچکولے ہمیں اس قابل بناتے ہیں کہ ہم اس دریافت کی وقعت کو پہچان سکیں۔

سیکشن ۱۲۰، ۱۲۱: لوگ کہتے ہیں: یہ لفظ نہیں ہے جو اہم ہے، بلکہ اس کا معنی ہے، وہ معنی کے بارے میں لفظ کی طرح کی ایک شے کے طور پر سوچتے ہیں، اگرچہ یہ لفظ سے مختلف ہے۔

کوئی سوچ سکتا ہے: اگر فلسفہ لفظ "فلسفہ" کے استعمال کی بات کرتا ہے، تو دوسرے درجے کا فلسفہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ ایسا نہیں ہے؛ یہ، بلکہ، املا کے معاملے کی طرح ہے، جو دوسرے درجے کا ہوئے بغیر، دوسرے الفاظ کے ساتھ ساتھ لفظ "املا" کا بھی استعمال کرتا ہے۔

سیکشن ۱۲۲: ہمارے سمجھنے میں ناکامی کا ایک اہم ماخذ یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنے الفاظ کے استعمال کا ایک عمومی جائزہ نہیں ہے۔ ہماری گریمر، سروے کرنے کی اہلیت ہونے کے حوالے سے، ناقص ہے۔ ایک ایسی نمائندگی، جو سروے کی اہلیت رکھتی ہو، ٹھیک اسی قسم کی تفہیم پیدا کرتی ہے جو "رابطے دیکھنے" پر مشتمل ہوتی ہے۔ نتیجتاً درمیانی روابط کو تلاش کرنے اور ایجاد کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

ایک سروے کی اہلیت رکھنے والی، نمائندگی، کا تصور ہمارے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس طریقے کی تصویر کشی کرتا ہے، جس سے ہم چیزوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور جس طرح ہم معاملات کو دیکھتے ہیں۔

سیکشن ۱۲۵: فلسفے کا کام ریاضیاتی یا logico-mathematical دریافت کے ذریعے کسی تضاد کو حل کرنا نہیں ہے، بلکہ ریاضی کی وہ قابل جائزہ حالت مہیا کرنا ہے جو ہمیں مشکل میں ڈالتی ہے۔

یہاں بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی کھیل کو کھیلنے کے لیے اصولوں، ایک تکنیک، کا تعین کرتے ہیں، اور اس کے بعد جب ہم اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو چیزیں ویسی نہیں نکلتیں جیسی ہم نے فرض کی تھیں۔ اس طرح، گویا، ہم اپنے اصولوں میں الجھے ہوئے ہیں۔

ہمارا، اپنے اصولوں میں الجھنا ہی وہ بات ہے جسے ہم سمجھنا چاہتے ہیں: یعنی، سروے کرنا چاہتے ہیں۔

تضاد کی متمدن (civic) حیثیت، یا متمدن زندگی میں اس کی حیثیت — یہ فلسفیانہ مسئلہ ہے۔

سیکشن ۱۳۳: فلسفیانہ مسائل کو حل کرنے کا کوئی ایک طریقہ نہیں بلکہ کئی طریقے ہیں گویا یہ معاملے کے مختلف طریقے ہیں۔

سیکشن ۱۳۶: "قضیہ" کی عمومی تعریف سے جو تصویر ہمارے سامنے بنتی ہے وہ یہ ہے کہ تصور 'سچ' پر جو منطق ہوتا ہے، یا تصور 'سچ' جس پر منطق ہوتا ہے، وہ ایک قضیہ ہے یعنی ہمارے پاس سچ اور جھوٹ کا کوئی تصور موجود ہے جو ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے تصور کے ساتھ جو کچھ منسلک ہے وہ ایک قضیہ ہے۔ یہ تصویر درست نہیں ہے۔ قضیہ "سچ" اور "جھوٹ" جیسی کسی حقیقت کے تصور کو منطق نہیں کرتا بلکہ اس بات کا تعین کہ "ایک قضیہ کیا ہے؟" ایک لحاظ سے جملے کی تشکیل کے اصولوں سے ہوتا ہے اور ایک اور لحاظ سے اس کا تعین لسانی کھیل میں علامت کے استعمال سے ہوتا ہے۔ "سچ" اور "جھوٹ" الفاظ کا استعمال بھی اس کھیل کا ایک تشکیلی جز ہو سکتا ہے اور اس استعمال کو ہم تصور "قضیہ" سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے شطرنج میں بادشاہ کے مہرے کو شہ نہیں دی جاتی بلکہ شہ دینا، ہمارے شطرنج کے بادشاہ کے تصور سے وابستہ ہے۔

سیکشن ۱۳۹: ملتے جلتے الفاظ میں سے موزوں لفظ کا انتخاب ایسے ہی ہے جیسے کسی پورٹ فولیو میں ڈرائنگز کے درمیان انتخاب۔ موزوں لفظ کی بات کرتے ہوئے کوئی شخص "ایسی چیز" کے وجود کو ظاہر نہیں کرتا جو فلاں فلاں ہے بلکہ تصویر جیسی کسی چیز کے بارے میں بات کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی ایک

لفظ کو موزوں پاسکتا ہے؛ کوئی شخص اکثر الفاظ کے درمیان ایسے انتخاب کرتا ہے جیسے ملتی جلتی (similar) تصویروں کے درمیان، مگر وہ بالکل یکساں (identical) نہ ہوں؛ کیونکہ تصاویر اکثر الفاظ کی بجائے یا الفاظ کو واضح کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، وغیرہ۔

سیکشن ۱۴۲: صرف نارمل معاملات میں ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے لیے کسی لفظ کا استعمال پہلے سے مرتب کر دیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں، کہ اس یا اُس معاملے میں ہمیں کیا کہنا ہے اور ہم کسی شک میں نہیں ہوتے۔ معاملہ جتنا غیر معمولی ہو، اتنا ہی مشکوک ہو جاتا ہے اور وہ بھی جو ہمیں کہنا ہوتا ہے۔ اگر چیزیں اس سے بالکل مختلف ہوتیں جو وہ اصل میں ہیں — اگر، مثلاً، درد، خوف، خوشی کا کوئی مخصوص اظہار نہ ہوتا؛ اگر اصول استثنا، اور استثنا اصول بن جاتا؛ یا اگر دونوں ہی تقریباً مساوی تعدد کا مظہر بن گئے ہوتے — تو ہمارے نارمل لسانی کھیل اس کے نتیجے میں اپنا جواز کھودیتے۔

ایک تصور کی اہمیت کی وضاحت کے لیے ہمیں جن حقائق کا ذکر کرنا پڑتا ہے وہ اکثر فطرت کے انتہائی عمومی حقائق ہوتے ہیں۔ یہ ایسے حقائق ہوتے ہیں جن کا ذکر شاید ہی کبھی ان کی بہت زیادہ عمومی حیثیت کی وجہ سے کیا جاتا ہو۔

سیکشن ۱۴۶: فہم بذات خود ایک ایسی حالت ہے جو صحیح استعمال کا ذریعہ ہے۔ اطلاق فہم کی جانچ کا ایک معیار ہے۔

سیکشن ۱۹۴: جب ہم فلسفہ کرتے ہیں، تو ہم جنگلیوں، غیر متمددن لوگوں کی طرح ہوتے ہیں، جو مہذب لوگوں کے بات کرنے کے انداز کو سنتے ہیں، اس کی غلط تعبیر کرتے ہیں، اور پھر اس سے انتہائی دور افتادہ نتائج اخذ کرتے ہیں۔

سیکشن ۱۹۶: لفظ کے استعمال کی غلط تفہیم کو، کوئی شخص ایک عجیب عمل کی نشاندہی کرنے کے طور پر لیتا ہے۔ (جیسے کوئی وقت کو عجیب میڈیم سمجھتا ہے، ذہن کو ایک عجیب طرح کی ہستی سمجھتا ہے۔)

سیکشن ۱۹۸: ہر تعبیر کا ادھورا پن اور ابہام اس چیز کے ساتھ ساتھ چلتا ہے جس چیز کی یہ تعبیر ہوتی ہے، اور تعبیر اس چیز کو کوئی سہارا نہیں دے سکتی۔ تعبیرات خود سے معنی کا تعین نہیں کرتیں۔

ایک شخص رہنمائی کرنے والی علامت کے مطابق صرف اتنا ہی چلتا ہے جتنا کہ اس کا ایک مروجہ استعمال ہوتا ہے، جتنا ایک قاعدہ ہوتا ہے۔

سیکشن ۱۹۹: ایک اصول پر عمل کرنا، کوئی رپورٹ بنانا، کوئی حکم دینا، شطرنج کا ایک کھیل کھیلنا، قاعدے ہیں (استعمالات ہیں، رواج ہیں)۔

کسی جملے کو سمجھنے کا مطلب زبان کو سمجھنا ہے۔ کسی زبان کو سمجھنے کا مطلب کسی تکنیک میں مہارت حاصل کرنا ہے۔

سیکشن ۲۰۲: ایک اصول کی پیروی 'ایک مشق' / عمل ہے۔ اور کسی کا یہ سوچنا کہ وہ ایک اصول کی پیروی کر رہا ہے ایک اصول کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ اسی وجہ سے 'نچی طور پر' کسی اصول کی پیروی کرنا ممکن نہیں ہے؛ ورنہ، یہ سوچنا کہ کوئی کسی اصول پر عمل پیرا تھا اس کی پیروی کرنے جیسا ہی ہو گا۔

سیکشن ۲۰۶: مشترکہ انسانی طرزِ عمل، وہ حوالہ جاتی نظام (system of reference) ہے جس کے ذریعے ہم کسی انجان زبان کی تفہیم کرتے ہیں۔

سیکشن ۲۱۳: اگر وجدان ایک اندرونی آواز ہے — تو میں کیسے جانتا ہوں کہ مجھے اس کی پیروی کیسے کرنی ہے؟ اور میں کیسے جانتا ہوں کہ یہ مجھے گمراہ نہیں کرتا ہے؟ کیونکہ اگر یہ میری صحیح رہنمائی کر سکتا ہے، تو یہ میری غلط رہنمائی بھی کر سکتا ہے۔ وجدان ایک غیر ضروری لفظی ہیرا پھیری ہے۔

سیکشن ۲۲۴: لفظ "مطابقت" اور لفظ "اصول" ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں؛ یہ کزن ہیں۔ اگر میں کسی کو ان میں سے ایک لفظ کا استعمال سکھاتا ہوں، تو وہ اس کے ساتھ دوسرے کا استعمال سیکھتا ہے۔

سیکشن ۲۲۵: لفظ "اصول" کا استعمال اور لفظ "ایک جیسا" کا استعمال باہم بُنے ہوئے ہیں۔ (جیسا کہ "قضیہ" کا استعمال اور "سچ" کا استعمال ہیں۔)

سیکشن ۲۴۰ تا ۲۴۲: ایک اصول کی پیروی کی گئی ہے یا نہیں اس سوال پر تنازعات نہیں پھوٹے (جیسے، ریاضی دانوں کے مابین) ہیں۔ لوگ اس پر لڑائی شروع نہیں کرتے ہیں۔ اس کا تعلق اس

عارضی ڈھانچے سے ہے جس سے ہماری زبان اپنا وظیفہ سرانجام دیتی ہے (مثال کے طور پر، تصریحات فراہم کرتی ہے)۔ انسانوں کا اتفاق فیصلہ کرتا ہے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ ہے؟ سچ یا جھوٹ وہی ہے جو انسان کہتے ہیں؛ اور انسان اپنی زبان میں اتفاق کرتے ہیں۔ یہ اتفاق آرا میں نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے زندگی کی شکل میں ہے۔ یہ نہ صرف تعریفوں میں اتفاق ہے، بلکہ فیصلوں میں بھی (اگرچہ یہ عجیب لگتا ہے) اتفاق ہے جو زبان کے وسیلے سے ابلاغ کے لیے درکار ہوتا ہے۔ یہ منطق کو ختم کر تادکھائی دیتا ہے، لیکن ایسا کرتا نہیں ہے۔ — پیمائش کے طریقوں کو بیان کرنا ایک چیز ہے، اور پیمائش کے نتائج حاصل کرنا اور بیان کرنا دوسری۔ لیکن جسے ہم "ماپنا" کہتے ہیں اس کا تعین ایک حد تک پیمائش کے نتائج میں ایک مخصوص ہیئتگی سے ہوتا ہے۔

سیکشن ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۲: کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ کوئی ایسی نجی زبان ہو سکتی ہے جس میں کوئی شخص، اپنے نجی استعمال کے لیے، اپنے اندرونی تجربات کو لکھ یا بول سکے؟ ایسی نجی زبان جسے صرف بولنے والا شخص ہی جان سکے؛ جو اس کے فوری نجی احساسات کی طرف اشارہ کرے تاکہ کوئی دوسرا شخص یہ زبان سمجھ نہ سکے۔

میرے احساسات ان معنوں میں نجی ہیں کہ صرف میں ہی جان سکتا ہوں کہ مجھے واقعی درد ہے یا نہیں؛ کوئی دوسرا شخص صرف اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا قابل فہم ہے کہ انہیں شک ہے کہ مجھے درد ہو رہا ہے یا نہیں؛ لیکن اپنے بارے میں یہ کہنا قابل فہم نہیں ہے۔

جب میں اپنے نجی احساسات کی نشاندہی کے لیے عمومی استعمال میں آنے والے الفاظ استعمال کرتا ہوں تو اس صورت میں میری زبان ایک 'نجی' زبان نہیں ہے کیونکہ اسے کوئی اور بھی ویسے ہی سمجھ سکتا ہے جیسا کہ میں۔

جب کوئی کہتا ہے کہ "اس نے اپنے احساس کو ایک نام دیا"، تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ زبان میں محض نام دینے کے عمل کے قابل فہم ہونے کے لیے بہت کچھ لازماً تیار ہونا چاہیے۔ اور اگر ہم کسی کے ایک درد کو نام دینے کے عمل کی بات کریں، تو جو یہاں تیار کیا گیا ہے وہ لفظ "درد" کی گریمر ہے؛ یہ اس چوکی کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں نئے لفظ کو تعینات کیا گیا ہے۔

نجی احساس کے لیے عمومی زبان کا کوئی بھی اظہار یہ اسے نجی زبان نہ بننے دے گا اور اگر اس احساس کے لیے کوئی بالکل نئی صوت استعمال کی جائے تو اس کو بھی ایک بامعنی اظہار بننے کے لیے ایک مخصوص لسانی کھیل درکار ہو گا۔

جب آپ یہ جان جاتے ہیں لفظ کس چیز پر دلالت کرتا ہے تو آپ اسے سمجھ جاتے ہیں، آپ اس کے پورے اطلاق کو سمجھ جاتے ہیں۔

اگر میرا ہی ایک ہاتھ میرے ہی دوسرے ہاتھ کو تحفہ دے تو اس کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے لیکن عملی طور پر ہم اس کو تحفہ دینا نہیں کہیں گے۔ اسی طرح اپنے آپ کو اپنے ہی ایک احساس کی ایک نجی لفظی وضاحت دینا عملی طور پر نجی وضاحت نہیں کہلائے گا۔

نجی تجربے کے بارے میں اساسی بات یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے تجربے کے ایک نجی نمونے کا مالک ہوتا ہے بلکہ یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں ہو پاتا کہ دوسرے لوگوں کے پاس یہی نمونہ ہے یا کچھ اور ہے۔ سیکشن ۲۴۹: جھوٹ بولنا ایک لسانی کھیل ہے جس کو کسی دوسرے کھیل کی طرح سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیکشن ۲۸۳: درد کے احساس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ صرف انسان اور انسانوں جیسا طرز عمل رکھنے والے وجود، درد کو محسوس کر سکتے ہیں۔

سیکشن ۲۹۲: یہ مت سوچیں کہ ہم ہمیشہ حقائق کو سامنے رکھ کر ہی کچھ کہتے ہیں؛ کیونکہ حقائق کا لفظوں میں بیان اصولوں کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔

سیکشن ۲۹۹: جب ہم فلسفیانہ فکر میں مشغول ہوتے ہیں تو ایسے میں اگر ہم کوئی بات کہے بغیر نہ رہ سکیں یا کوئی بات کہنے سے خود کو روک نہ سکیں تو کیا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم پر ایک مفروضہ مسلط ہے (جو ہم سے ایسا کروا رہا ہے) یا ہمیں علم یا کسی معاملے کا فوری ادراک حاصل ہوا ہے۔

سیکشن ۳۰۰: یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے کہ لفظ "درد" کے ذریعے درد کی تصویر لسانی کھیل میں داخل ہوتی ہے۔ ہمارے تصور میں درد ایک تصویر نہیں ہوتا اور نہ ہی لسانی کھیل میں اسے کسی ایسی چیز سے تبدیل کیا جاسکتا ہے جسے ہم تصویر کہتے ہیں۔ وہ درد جو ہم اپنے تصور میں لاتے ہیں وہ ہمارے لسانی کھیل میں ایک تصویر کے طور پر نہیں بلکہ ایک احساس کے طور پر داخل ہوتا ہے۔

سیکشن ۳۰۲: درد سے وابستہ طرز عمل کسی درد بھری جگہ کی نشاندہی کر سکتا ہے لیکن وہ شخص جو درد محسوس کر رہا ہے 'وہ' درد کو ظاہر کرتا ہے۔

سیکشن ۳۰۴: درد کی موجودگی میں درد سے وابستہ طرز عمل اور درد کی عدم موجودگی میں درد سے وابستہ طرز عمل میں فرق نہیں ہے۔ احساس نہ تو ایک "شے" ہے نہ ہی "لاشے" ہے۔ جس کے بارے میں کچھ نہ کہا جاسکتا ہو اس کو ایک "لاشے" کہہ کر بھی اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے جتنا ایک "شے" کہہ کر۔ یہاں ہم نے صرف ایک گریمر کو مسترد کیا ہے جو خود کو ہم پر مسلط کرنے پر مائل ہے۔

یہ پیراڈاکس اسی صورت میں ختم ہوتا ہے اگر ہم اس تصور کو بھرپور طریقے سے پس پشت ڈال دیں کہ زبان ہمیشہ ایک ہی طریقے پر کام کرتی ہے، ہمیشہ ایک ہی مقصد پورا کرتی ہے؛ یعنی خیالات کی ترسیل۔

سیکشن ۳۰۶: جب ہم کوئی بات یاد کرتے ہیں تو ہمارے اندر ایک ذہنی عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس بات کا اس سے زیادہ کچھ مطلب نہیں ہے کہ ہم کچھ یاد کرتے ہیں۔

سیکشن ۳۰۸، ۳۰۹: ذہنی اعمال و کیفیات اور کرداریت کے بارے میں فلسفیانہ مسائل کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ اس میں پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس کی طرف ہم بالکل توجہ نہیں کرتے۔ ہم اعمال اور کیفیات کے بارے میں بات تو کرتے ہیں لیکن ان کی ماہیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم ان کے بارے میں کبھی نہ کبھی زیادہ جان لیں گے لیکن یہ بات ہمیں معاملے کو دیکھنے کے ایک مخصوص انداز سے منسلک کر دیتی ہے کیونکہ ہمارے پاس اس بات کا ایک مخصوص تصور آجاتا ہے کہ کسی عمل کو بہتر طور پر سمجھنے کے عمل کو سیکھنے کا کیا مطلب ہے۔ شعبہ بازی میں یہ فیصلہ کن حرکت ہے جو ہمیں بہت معصوم دکھائی دیتی ہے اور اب یہ تمثیلی استدلال بکھر جاتا ہے جس نے ہمیں ہمارے خیالات سے آگاہ کرنا تھا۔ اس طرح ہم

فہم کے اس عمل کا انکار کرتے ہیں جو ابھی تک غیر تحقیق و تفتیش شدہ میڈیم میں ابھی تک سمجھا نہیں گیا تھا۔ اور اب ایسا دکھائی دیتا ہے گویا کہ ہم نے ذہنی اعمال کا انکار کر دیا ہے جبکہ ہم فطرتاً ان کا انکار نہیں کرنا چاہتے۔ فلسفے میں ہمارا متوقع ہدف یہ ہوتا ہے کہ بوتل میں بند مکھی کو بوتل سے باہر نکلنے کا راستہ دکھایا جائے۔

سیکشن ۳۱۶: لفظ "سوچنا" کے مفہوم کی وضاحت کے لیے ہم سوچتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتے ہیں اور ہم جو کچھ مشاہدہ کرتے ہیں وہی اس لفظ کا مفہوم ہو گا۔ لیکن یہ تصور ٹھیک اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔ یہ اس طرح ہو گا گویا یہ جانے بغیر کہ شطرنج کیسے کھیلتے ہیں، شطرنج کی آخری چالوں کے قریبی مشاہدے کے ذریعے، میں یہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ "شہ مات" کا مفہوم کیا ہے۔

یہاں وٹکنسٹائن یہ بتاتا ہے کہ تصور "سوچنا" سے آگاہی کے بغیر لفظ "سوچنا" کے مفہوم کی وضاحت نہیں ہو سکتی یا اس مخصوص لسانی کھیل میں اس لفظ کے استعمال کو جانے بغیر اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

سیکشن ۳۲۹: لوگ جس کو ایک معقول جواز تسلیم کرتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح سوچتے اور زندگی کرتے ہیں۔

سیکشن ۳۲۹: وٹکنسٹائن کہتا ہے: جب میں الفاظ میں سوچتا ہوں تو میرے ذہن میں لفظی اظہارات کے ساتھ ساتھ 'معانی' نہیں ہوتے بلکہ زبان خود سوچ کی سواری ہے۔

سیکشن ۳۳۷: ایک ارادہ، انسانی رواجوں اور ضابطوں کے اندر، ایک انداز میں موجود ہوتا ہے۔ اگر شطرنج کے کھیل کی تکنیک موجود نہ ہوتی تو میں شطرنج کے ایک کھیل کو کھیلنے کا ارادہ نہ کر سکتا۔ میں ایک انگریزی جملہ بنانے کا جس قدر پیشگی ارادہ کرتا ہوں، وہ اس حقیقت سے ممکن بنتا ہے کہ میں انگریزی بول سکتا ہوں۔

سیکشن ۳۳۸: بولنا سیکھے بغیر بولا نہیں جاسکتا۔ لہذا کچھ بولنے کے لیے کسی زبان میں مہارت ضروری ہے؛ تاہم پھر بھی یہ واضح ہے کہ بولے بغیر بھی کوئی بولنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے جس طرح رقص کیے بغیر کوئی رقص کرنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے۔

سیکشن ۳۳۹: سوچنا ایک غیر مادی عمل نہیں ہے جو بولنے کے عمل کو زندگی اور معنویت بخشتا ہے اور جسے بولنے کے عمل سے الگ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ لیکن یہ کس طرح ایک غیر مادی عمل نہیں ہے؟ کیا میں غیر مادی اعمال سے واقف ہوں؟ اور تب کیا صرف سوچنا ان میں سے ایک غیر مادی عمل نہیں ہے؟ نہیں: میں نے ایک ناخوشگوار صورت حال سے نکلنے کے لیے "غیر مادی عمل" کی ترکیب اس وقت استعمال کی جب میں لفظ "سوچنا" کے معنی ایک سادہ طریقے سے واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تاہم کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ "سوچنا ایک غیر مادی عمل ہے" اگر کوئی اس جملے کو لفظ "سوچنا" اور "کھانا" کی گریمر میں فرق کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہو۔ اس سے صرف معنی میں معمولی سا فرق واضح ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہند سے حقیقی ہیں اور اعداد غیر حقیقی۔ ایک غیر موزوں اظہار یہ جملہ ہمیں یقیناً الجھاؤ میں رکھنے کا ایک سبب ہے گویا یہ ہمارا باہر نکلنے کا راستہ روک رہا ہوں۔

سیکشن ۳۴۱: سوچ کے ہمراہ اور سوچ کے بغیر بولنے کا موازنہ، موسیقی کی ایک دھن کو سوچ کے ہمراہ اور سوچ کے بغیر بجانے سے، کیا جائے گا۔

سیکشن ۳۴۵: بعض اوقات احکامات کی تعمیل نہیں کی جاتی۔ لیکن یہ کس طرح کی صورت حال ہوتی اگر کسی بھی حکم کی تعمیل کبھی نہ کی جاتی؟ ایسی صورت حال میں حکم کا تصور اپنا مقصد کھودیتا۔

سیکشن ۳۶۱، ۳۶۲: "چپ چاپ خود سے باتیں کرنا"، یہ جملہ جب بچے کو سکھایا جاتا ہے تو سکھانے والا عملی طور پر ایسا کر کے نہیں دکھاتا، گویا اس کا مقصد بچے کو اس مقام تک لانا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خود ہی اس کی درشنی وضاحت دے سکے، جو ایک التباس ہے۔ کیونکہ بچہ خود کو درشنی وضاحت نہیں دیتا بلکہ صرف اس اظہار کی گریمر کا اطلاق کرنا سیکھتا ہے۔

سیکشن ۳۶۳: ہم گفتگو کے ذریعے خیالات کی ترسیل کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے ابلاغ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ دوسروں کو ہماری بات کا مفہوم سمجھ آ جائے، جو ایک ذہنی عمل ہے۔ ترسیل کے بعد کوئی اس پیغام کے ساتھ مزید کیا کرتا ہے، یہ چیز زبان کے فوری مقصد کا حصہ نہیں ہے۔

ابلاغ کے ذہنی مظہر میں دوسرے کو یہ بتانا اہم ہے کہ میں تکلیف میں ہوں؛ جو کچھ بتایا گیا ہے وہ اہم نہیں ہے اور خود ہی اپنی خبر گیری کر لے گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے گھڑی کا وقت بتانا اہم ہو، اور کیا وقت ہوا ہے؟، یہ ابھی طے نہ ہو، اور یہ بات غیر متعلق ہو کہ "وقت بتانے کا مقصد کیا ہے۔"

سیکشن ۳۰: ہمیں یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ خیالات کیا ہوتے ہیں یا جب کوئی کسی چیز کا تصور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں کیا ہوتا ہے؟، بلکہ یہ کہ لفظ "تخیل" کیسے استعمال ہوتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں صرف لفظوں کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ سوال کہ تخیل اساسی طور پر کیا ہے؟ اتنا ہی لفظ "تخیل" کے بارے میں ہے جتنا میرا سوال کہ لفظ "تخیل" کیسے استعمال ہوتا ہے؟، اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تصور کرنے والے یا کسی اور کے لیے اس سوال کی وضاحت، اشارہ کر کے یا بیان کر کے نہیں ہونی چاہیے۔ پہلا سوال بھی لفظ ہی کی وضاحت مانگتا ہے؛ لیکن اس کے زیر اثر ہم غلط جواب کی توقع کر لیتے ہیں۔

سیکشن ۳۱ تا ۳۷: جوہر کا اظہار گریمر میں ہوتا ہے۔

زبان اور معروضی ضرورت کے مابین واحد متلازم شے ایک غیر معین اصول ہے۔ یہ غیر معین اصول وہ واحد شے ہے جسے معروضی ضرورت سے کشید کر کے ایک قضیے میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

گریمر ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کوئی چیز کس قسم کی شے ہے۔ جیسے دینیات کی گریمر۔

اس معاملے کو جس طرح پیش کیا جاتا ہے وہ کچھ ایسے ہے کہ جیسے یہ کوئی ایسا کام ہو جو ہم نہیں کر سکتے۔ گویا یہ واقعی کوئی معروض ہو، جس میں سے ہمیں اس کی وضاحت کشید کرنی ہو، اور یہ وضاحت ہم کسی اور کو دکھانے کی پوزیشن میں نہ ہوں۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اس پیشکش سے معاملے کی جو تصویر بنتی ہے ہم اس کو استعمال کرنے کی ترغیب پر خود کو روک نہیں پاتے اور پھر یہ تفتیش کرتے ہیں کہ اس تصویر کا اطلاق کیسا دکھائی دیتا ہے۔

سیکشن ۳۸ تا ۳۸: وٹکنسٹائن یہ واضح کرتا ہے کہ ہم کسی مظہر کا تجزیہ نہیں کرتے جیسے 'سوچنا'، بلکہ ایک تصور (جیسے سوچنے کا تصور) کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس طریقے سے ایک لفظ کے اطلاق کا تجزیہ کرتے ہیں۔ شاید یہ ہمیں ایسا دکھائی دے جیسے ہم جو کر رہے ہیں وہ اسمیت (nominalism) ہے۔ اسمیت کو ماننے

والے تمام الفاظ کی وضاحت اسما کے طور پر کرنے کی غلطی کرتے ہیں اور اس طرح ان کے استعمال کو بیان نہیں کرتے۔

ہم نے "درد" کا "تصور" زبان سیکھنے میں سیکھا ہے۔

سیکشن ۳۸۹: کسی تصویر کے مقابلے میں ایک ذہنی شبیہ کو اپنے معروض سے زیادہ مماثل ہونا چاہیے۔ ایک نمائندگی کرنے والی تصویر کسی اور شے کی تصویر بھی ہو سکتی ہے لیکن ایک ذہنی شبیہ خلقی طور پر صرف اور صرف اپنے معروض کی شبیہ ہوتی ہے۔ ہم اسے انتہائی درجے کی مماثلت کہہ سکتے ہیں۔

سیکشن ۴۲۹: سوچ اور حقیقت کے مابین پائی جانے والی ہم آہنگی اور مطابقت کچھ اس طرح ہے: کہ اگر میں کسی چیز کے متعلق یہ کہوں کہ وہ سرخ ہے مگر وہ سرخ نہ ہو تو اس کے باوجود یہ "سرخ" ہی ہے جو یہ چیز نہیں ہے۔ اور اگر میں جملے "یہ سرخ نہیں ہے" میں لفظ "سرخ" کسی پر واضح کرنا چاہتا ہوں، تو ایسا کرنے کے لیے میں کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو سرخ ہے۔ یعنی سرخ کے ہونے یا نہ ہونے کو بیان کرنے کے لیے مجھے سرخ ہی کی طرف اشارہ کرنا پڑے گا۔

سیکشن ۴۳۱ اور ۴۳۲: ایک حکم اور اس کی تعمیل کے درمیان ایک خلا موجود ہے جسے تفہیم کے عمل کے ذریعے پر کیا جاتا ہے۔ تفہیم کے عمل سے ہی حکم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں اس کی تکمیل کرنی ہے۔ ہر علامت بذات خود مردہ لگتی ہے۔ یہ استعمال میں زندہ رہتی ہے۔

سیکشن ۴۳۶: فلسفہ کرتے ہوئے ہم آسانی سے بندگلی میں پہنچ جاتے ہیں جب ہمیں یقین ہوتا ہے کہ کسی مسئلے کا مشکل ہونا کسی ایسے مظہر کو بیان کرنے پر منحصر ہے جو ہماری گرفت میں نہ آتا ہو۔ جہاں ہمیں روز مرہ استعمال کی زبان بہت خام لگتی ہو اور یہ ایسا لگے جیسے ہمارا واسطہ روزمرہ کی گفتگو کے مظاہر سے نہ ہو بلکہ جلد مٹ جانے والے ایسے مظاہر سے ہو جو اپنے ظاہر ہونے اور غائب ہو جانے کے عمل میں دوسرے مظاہر کو پیدا کرتے ہوں۔

سیکشن ۴۴۵: ایک توقع اور اس کی تکمیل کے درمیان رابطہ زبان کے اندر قائم ہوتا ہے۔

سیکشن ۴۴۷: سبلی قضیے کا دعویٰ اس قضیے کا حامل تو ہوتا ہے جس کی نفی کی جاتی ہے لیکن اس کے اثبات دعویٰ کا حامل نہیں ہوتا۔

سیکشن ۴۷۱: اکثر جب ہم سوال "کیوں؟" کو دبا دیتے ہیں تو ہم ان اہم حقائق کا شعور حاصل کرتے ہیں جو ہماری تحقیق کے عمل میں ایک جواب کے حصول میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

سیکشن ۴۹۶، ۴۹۷: گریمر ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ زبان کو اس کے مقصد کی تکمیل، اور انسانوں پر مخصوص اثرات مرتب کرنے کے لیے کس طرح تشکیل دیا جائے۔ یہ صرف علامتوں کے استعمال کو بیان کرتی ہے اور کسی بھی طرح ان کے استعمال کی وضاحت نہیں کرتی۔

گریمر کے اصولوں کو "غیر معین" کہا جاسکتا ہے اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ گریمر کا مقصد صرف زبان کو بیان کرنا ہے۔

سیکشن ۵۰۰: جب کسی جملے کو بے معنی کہا جاتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ گویا اس کا مفہوم غائب ہو بلکہ یہ ایسا ہے گویا الفاظ کی ایک ترتیب کو زبان سے خارج کیا جا رہا ہو، ان کے استعمال کو روک دیا جائے۔

سیکشن ۵۲۰: اگر کوئی ایک قضیے کو ممکنہ صورت حال کی تصویر بھی تصور کرے اور کہے کہ یہ صورت حال کے امکان کو دکھاتی ہے پھر بھی ایک قضیہ زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ ایک پینٹنگ، منبت کاری یا ایک فلم کرتی ہے۔ اور پھر بھی یہ وہ نہیں دکھا سکتی جو صورت حال نہ ہو۔ تو اس طرح جس کو بھی منطقی طور پر ممکن یا ناممکن کہا جاتا وہ سارے کا سارا ہماری گریمر پر منحصر ہوتا ہے۔ جب ہم فلسفے میں اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ کسی بے کار چیز کو ایک قضیہ شمار کریں تو یہ اکثر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے اطلاق پر کافی غور و فکر نہیں کیا ہوتا۔

سیکشن ۵۲۷، ۵۳۱: زبان میں ایک جملے کو سمجھنا، موسیقی میں ایک تھیم کو سمجھنے سے مشابہ ہے، یہ مشابہت عام طور پر جتنی سمجھی جاتی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یعنی ایک بولے گئے جملے کو سمجھنے اور ایک میوزیکل تھیم کو سمجھنے کو عام طور پر جتنا قریب سمجھا جاتا ہے یہ اس سے کہیں زیادہ قریب ہیں۔

ہم ایک جملے کو سمجھنے کے بارے میں ان معنوں میں بات کرتے ہیں کہ اس کو ایک اور جملے سے تبدیل کیا جاسکتا ہے جو یہی بات کہہ رہا ہو؛ لیکن ان معنوں میں بھی کہ اس کو کسی اور جملے سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک میوزیکل تھیم کو دوسرے میوزیکل تھیم سے تبدیل کیا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی۔ ایک معاملے میں دو جملوں میں مشترک چیز خیال ہے اور دوسرے معاملے میں وہ چیز ہے جو صرف انہی الفاظ کی صرف اسی نشست سے ادا ہو سکتی ہے۔ مثلاً شاعری کو سمجھنا۔

سیکشن ۵۶۰: ایک لفظ کا معنی وہ ہوتا ہے جس کو اس کے معنی کی ایک وضاحت بیان کرتی ہے۔ یعنی اگر آپ لفظ "معنی" کا استعمال سمجھنا چاہتے ہیں تو اس بات کو دیکھیں جسے "معنی کی ایک وضاحت" کہا جاتا ہے۔

سیکشن ۵۶۹، ۵۷۰: زبان ایک آلہ ہے۔ اس کے تصورات، آلات ہیں۔

تصورات تحقیق کرنے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ تصورات ہماری دلچسپی کا اظہار ہیں اور ہماری دلچسپی کی رہنمائی کرتے ہیں۔

سیکشن ۵۷۱: یہ بات گمراہ کن ہے کہ نفسیات، اعمال کو، ذہنی دائرے میں برتنی ہے جس طرح کہ فزکس مادی دائرے میں۔

دیکھنا، سننا، سوچنا، محسوس کرنا، خواہشمند ہونا، اس طرح نفسیات کی تحقیق کے موضوعات نہیں ہیں، جس طرح کہ اجسام کی حرکت، برقی رو کے مظاہر، وغیرہ فزکس کی تحقیق کے موضوعات ہیں۔ اس بات کو ہم اس حقیقت سے جان سکتے ہیں کہ ماہر طبیعیات دیکھتا، سنتا اور سوچتا ہے اور ہمیں ان مظاہر کے بارے میں مطلع کرتا ہے اور ماہر نفسیات اپنے سنجیکٹ کی گفتگو (اس کردار) کا مشاہدہ کرتا ہے۔

سیکشن ۵۹۳: وٹکنسٹائن یہ بتاتا ہے کہ فلسفیانہ بیماریوں کی ایک بڑی وجہ ایک رُخی خوراک ہے: اس عمل میں کوئی صرف ایک طرح کی مثالوں سے اپنی سوچ کی پرورش کرتا ہے۔

سیکشن ۵۹۷: ایک جرمن جب انگریزی بولتا ہے تو اس کی گفتگو میں جرمن ازم در آتا ہے اگرچہ وہ ایسا نہیں کرتا کہ پہلے جرمن زبان میں جملہ بنائے اور پھر اسے انگریزی میں ترجمہ کرے۔ جب وہ انگریزی بولتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر جرمن سے ترجمہ کر رہا ہو۔ اسی لیے بھی ہم اکثر اس طرح سوچتے ہیں

کہ ہماری سوچ، سوچ کی ایک سکیم سے وابستہ ہو، گویا کہ ہم سوچ کی کسی زیادہ ابتدائی صورت سے اپنی صورت میں ترجمہ کر رہے ہوں۔

سیکشن ۵۹۸: جب ہم فلسفہ کرتے ہیں تو ہم اس جگہ پر احساسات کو حقیقی بنانے کی طرف مائل ہوتے ہیں جہاں پر وہ موجود ہی نہیں ہوتے۔ یہ احساسات ہمارے خیالات کو ہم پر واضح کرنے کے کام آتے ہیں۔ "اس جگہ پر ہماری سوچ کی وضاحت کے لیے ایک احساس کی ضرورت ہے!" گویا ہمارے پختہ یقین نے اس تقاضے کو پورا کیا ہو۔

سیکشن ۵۹۹: فلسفے میں نتائج نہیں نکالے جاتے۔ "لیکن اس کو ایسا ہونا چاہیے!" ایک فلسفیانہ قضیہ نہیں ہے۔ ہر کوئی اس کو جو تسلیم کرتا ہے فلسفہ صرف اسے بیان کرتا ہے۔

سیکشن ۶۱۲ تا ۶۱۶: جب میں ارادی طور پر اپنا بازو بلند کرتا ہوں، تو میں حرکت کو لانے کے لئے کسی وسیلے کا استعمال نہیں کرتا۔ میری خواہش بھی ایسا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

"آمادہ ہونا" اگر ایک طرح کی خواہش مندی نہیں ہے تو اس کو خود عمل ہونا چاہیے۔ اس کو عمل سے کم کسی چیز پر رکنا نہیں چاہیے۔ اگر یہ عمل ہے تو یہ عرف عام میں ایک عمل ہے؛ اس طرح یہ: بولنا، لکھنا، چلنا، ایک چیز اٹھانا، کچھ تصور کرنا، ہے، لیکن یہ: بولنے، لکھنے، چلنے، ایک چیز اٹھانے، کچھ تصور کرنے کی کوشش کرنا بھی ہے۔

جب میں اپنا بازو بلند کرتا ہوں تو میں نے اس کو بلند کرنے کی خواہش نہیں کی ہوتی۔ اس ارادی عمل میں خواہش شامل نہیں ہوتی۔ جب میں کہتا ہوں کہ "میں امید کرتا ہوں، کہ بغیر کسی غلطی کے ایک دائرہ کھینچوں گا" تو یہ ایک خواہش کا اظہار ہے کہ میرے ہاتھ کو فلاں فلاں طریقے سے حرکت کرنی چاہیے۔

سیکشن ۶۲۹: جب لوگ مستقبل کے پیشگی علم کے امکان کے بارے میں بات کرتے ہیں تو وہ کسی کی ارادی حرکت کی پیش گوئی کرنے کے معاملے سے ہمیشہ صرف نظر کرتے ہیں۔

سیکشن ۶۵۴ تا ۶۵۶: ہماری غلطی یہ ہے کہ جہاں پر ہمیں حقائق کو "proto-phenomena" (بنیادی مظہر جس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہ ہو) کے طور پر لینا چاہیے وہاں پر ہم ایک وضاحت ڈھونڈتے ہیں۔ یعنی ہمیں یہ کہنا چاہیے: یہ وہ لسانی کھیل ہے جو کھیلا جا رہا ہے۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیں لسانی کھیل کی وضاحت اپنے تجربات کے ذریعے نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایک لسانی کھیل پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

لسانی کھیل کو بنیادی چیز کے طور پر لیں اور احساسات وغیرہ پر، لسانی کھیل کا مشاہدہ اور توضیح کرنے کے ایک طریقے کے طور پر، توجہ مرکوز کریں!

فلسفہ نفسیات

سیکشن ۲۵: انسانی جسم انسانی روح کی بہترین تصویر ہے۔

سیکشن ۳: ایک لفظ کا معنی وہ تجربہ نہیں ہے جو کسی کو اسے سنتے یا بولتے ہوئے ہوتا ہے، اور ایک جملے کا مفہوم ان تجربات کا مجموعہ نہیں ہے۔ جملہ لفظوں سے ترکیب پاتا ہے اور یہ کافی ہے۔

سیکشن ۹۱: کوئی شخص اپنے حواس پر شبہ کر سکتا ہے لیکن اپنے اعتقاد پر نہیں۔

سیکشن ۲۷۷: ذہن میں حساب کرنے کا تصور، صرف اسی شخص کے لیے قابل فہم قرار دیا جاسکتا ہے جس نے اس تصور کے ذریعے کاغذ پر یا آواز بلند حساب کرنا سیکھ لیا ہو۔

سیکشن ۲۷۸: ثانوی معنی ایک 'استعاراتی' معنی نہیں ہے۔ اگر میں کہوں کہ "میرے لیے حرفِ علت 'ای' پیلا ہے"، تو میں اسے استعاراتی معنوں میں 'پیلا' مراد نہیں لیتا۔ کیونکہ میں جو کہنا چاہتا ہوں اس کا اظہار 'پیلا' کے تصور کے علاوہ کسی اور طریقے سے نہیں کر سکتا۔

سیکشن ۲۸۰: وہ ارادہ جس کے تحت کوئی عمل کرتا ہے، اس سے زیادہ عمل کے 'ہمراہ' نہیں ہوتا جتنی کہ ایک سوچ، گفتگو کے 'ہمراہ' ہوتی ہے۔ سوچ اور ارادہ لفظوں میں ادا ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے؛

عمل اور گفتگو کے دوران ارادے اور سوچ کا موازنہ، نہ تو ایک اکیلے سُر سے کیا جاسکتا ہے نہ ہی ایک دھن (سُروں کا تسلسل) سے۔

سیکشن ۲۸۱: 'بولنا' (آواز بلند ہو یا زیر لب) اور 'سوچنا' ایک طرح کے تصورات نہیں ہیں اگرچہ ان کے درمیان قریب ترین ربط ہے۔

سیکشن ۲۹۱: کسی چیز کو معنی دینا ایک عمل نہیں ہے جو ایک لفظ کے ہمراہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کے نتیجے میں کسی لفظ کو معنی دیا جاسکتا۔ (اسی طرح ایک حساب کا عمل ایک تجربہ نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی تجربہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے مخصوص نتائج ایک ضرب دینے کا عمل ہو)

سیکشن ۳۱۹، ۳۲۰: کسی اعتراف کی سچائی کا معیار: سچے اعتراف کی اہمیت اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ وہ کسی عمل کا صحیح اور شک و شبہ سے بالا بیان ہو بلکہ اس کے بجائے سچے اعتراف کی اہمیت کا انحصار ان مخصوص نتائج پر ہے جو کسی اعتراف سے اخذ کیے جاسکتے ہیں اور ان نتائج کی سچائی کی گیر نئی سچائی کا ایک مخصوص معیار دیتا ہے۔

اگر ہم فرض کریں کہ خواب، خواب دیکھے والے کے متعلق اہم معلومات فراہم کر سکتے ہیں تو یہاں خوابوں کی سچائی کا معیار خواب دیکھنے والے کا خوابوں کا سچا بیان ہو گا۔ کیا جانگے کے بعد اس کی یادداشت اسے دھوکا دیتی ہے جب وہ خواب بیان کرتا ہے؟ یہاں یہ سوال اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک کہ ہم اس کے خوابوں سے متفق ہونے کے لیے ایک بالکل نئے معیار کو متعارف نہ کروا دیں۔ ایک معیار جو یہاں پر ایک سچ کو حقیقت بیانی سے الگ کرتا ہے۔

سیکشن ۳۲۷: اگر ایک شیر بول سکے تو ہم اس قابل نہیں ہوں گے کہ اسے سمجھ سکیں۔

سیکشن ۳۳۱: 'پر یقین' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے شک کو نظر انداز کر دیا ہے۔

سیکشن ۳۳۵: ہم روز مرہ کے تمام لسانی کھیلوں کے بہت زیادہ تنوع کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، کیونکہ ہماری زبان کا لباس ان سب کو ایک جیسا بنا دیتا ہے۔ جو نیا ہے (برجستہ، مخصوص) وہ ہمیشہ ایک لسانی کھیل ہے۔

سیکشن ۳۴: اگر انسانوں میں مکمل اتفاق نہ ہوتا تو ہم وہ ٹیکنیکیں نہ سیکھ پاتے جنہیں ہم سیکھتے ہیں۔
ایسی صورت حال ہماری موجودہ صورت حال سے شاید ناقابل شناخت حد تک مختلف ہوتی۔

سیکشن ۳۵۲: اس سوال کے بارے میں عمومی طور پر کوئی اتفاق نہیں پایا جاتا کہ کسی احساس کا اظہار اصلی ہے یا نہیں۔

سیکشن ۳۶۳: بچہ کافی کچھ سیکھنے کے بعد اس قابل ہوتا ہے کہ ریاکاری کر سکے، ایک کتا منافق نہیں ہو سکتا لیکن یہ مخلص بھی نہیں ہو سکتا۔

سیکشن ۳۶۵: اگر تصورات کی تشکیل کو فطرت کے حقائق کے ذریعے بیان کیا جاسکتا تو ہم گریمر کے بجائے فطرت میں اس کی بنیادوں کو تلاش کرتے۔

سیکشن ۳۶۹: یاد کرنے کا عمل کسی تجرباتی مواد کا حامل نہیں ہوتا۔ نفسیاتی تصورات کے موازنے کے ذریعے ہم 'یادداشت کے مواد' کا تصور تشکیل دیتے ہیں۔

باب پنجم:

مجموعی جائزہ

الف۔ مجموعی جائزہ

لڈوگ وٹکنسٹائن کا شمار بیسویں صدی کے جدید مغربی فلسفے کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ اس کے خیالات سے اتفاق نہ کرنے والے بیشتر فلسفی بھی اسے بیسویں صدی میں فلسفے کی سب سے زیادہ با اثر شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔ وٹکنسٹائن ایک انتہائی اور پیچیدہ فلسفی ہے جس کے خیالات نے ایک پورے عہد کو متاثر کیا اور بیسویں صدی کے فلسفیانہ منظر نامے کو مستقل طور پر بدل دیا۔ آج بھی دنیا بھر میں فلسفے سے منسلک اداروں میں اس کی کتابوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق اور مباحث کا عمل جاری ہے۔

"Philosophical Investigations" وٹکنسٹائن کے دوسرے دور کے فلسفیانہ افکار کی نمائندہ کتاب ہے جسے بیسویں صدی کے فلسفے کی اہم ترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب جدید مغربی فلسفے کی وہ شاہکار تصنیف ہے جس کے لسانی مباحث نے بیسویں صدی کے جدید علوم و فنون پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اس کے افکار آج بھی مغربی دنیا میں علمی اور فنی مباحث کا حصہ ہیں۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے دو اہم اردو تراجم میں قاضی جاوید کی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" اور قاضی قیصر الاسلام کی کتاب "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" شامل ہیں۔ اس تحقیق کے نتیجے میں، ان منتخب اردو تراجم و توضیحات کے تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ سے، اردو کے قارئین ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر اثرات کی حامل کتاب کے لسانی مباحث کی مؤثر تفہیم حاصل کر سکتے ہیں۔

وٹکنسٹائن وہ پہلا شخص ہے جس نے مابعد جدید لسانی کھیل کا تصور تشکیل دیا ہے۔ اس کا دور ثانی کا فلسفہ مابعد جدیدیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اردو میں مابعد جدید فکر کے حوالے سے جو ابہام اور پیچیدگی پائی

جاتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے وٹکنسٹائن کی دورِ ثانی کی فکر، بالخصوص لسانی کھیل کے تصور کی درست اور مکمل تفہیم ضروری ہے۔

"Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کی بہتر تفہیم کے ذریعے زبان کی ماہیت اور تفاعل کی درست تفہیم میں بھی مدد ملتی ہے جس کے نتیجے میں لفظ و معنی کے تصور سے جڑے دیگر مباحث جیسے حقیقی و مجازی معنی، استعارہ، علامت، ساختیات اور رد تشکیل وغیرہ کی زیادہ بہتر تفہیم کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

ترجمہ ایک مختلف النوع انٹر ڈسپلن بن چکا ہے۔ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے رجحانات، طریقے، تصورات اور سوالات نمودار ہو رہے ہیں۔ ترجمے کے عمل میں بیک وقت کئی طریقے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں اور یہ عمل کئی طریقوں کو ملا کر استعمال کرنے سے مکمل ہوتا ہے۔ کسی متن کے ترجمے کے لیے طریقہ ہائے کار کا انتخاب اس بات پر بہت حد تک منحصر ہوتا ہے کہ متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد کیا ہیں۔ کسی متن کے بارے میں پہلے سے طے نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا ترجمہ کس طریقے سے ہو گا بلکہ مترجم ترجمہ کرتے وقت یہ طے کرتا ہے کہ متن کی نوعیت اور ترجمے کے مقاصد کے پیش نظر کس مقام پر کون سے طریقے کا انتخاب کیا جائے۔ منتخب اردو تراجم میں سے، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کو، ماخذ انگریزی متن سے شناخت کر کے اردو میں بیان کرنے کے لیے طریقہ کار کا انتخاب اسی تناظر میں کیا گیا ہے۔

توضیح کا ترجمہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے توضیح کے ذریعے ہدفی متن میں وہ سب واضح کیا جاتا ہے جو ماخذ متن میں غیر واضح ہوتا ہے۔

اس تحقیق میں انگریزی اور اردو زبان میں ترجمے پر تحقیق کے حوالے سے consilience کے ماڈل اور جدید مغربی تحلیلی فلسفے کے مباحث کے تناظر میں "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ مابعد جدید عہد میں لسانی کھیل کے تصور کی غیر معمولی اہمیت

کے پیش نظر وٹکنسٹائن کے اردو تراجم کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ بے حد اہم ہو چکا ہے۔ اردو میں علوم ترجمہ اور اصطلاح سازی کے ضمن میں بھی اس تحقیق کی بدولت نئے مباحث کے آغاز کے امکانات بہت قوی ہیں۔

قاضی جاوید کی "جدید مغربی فلسفہ"، اردو میں تحلیلی فلسفے کے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ اس میں قاضی جاوید نے اس خاصے دقیق موضوع کو سادگی، عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب بیسویں صدی کے مغربی تحلیلی فلسفے کے بارے میں لکھی گئی انگریزی زبان کی تحریروں میں پیش کیے گئے افکار پر مشتمل ہے جنہیں قاضی جاوید نے اردو تراجم اور توضیحات کی صورت میں اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

قاضی قیصر الاسلام کی "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں، منطقی اثباتیت سے ساختیات اور رد تشکیلی فلسفے تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ قاضی قیصر الاسلام کا شمار اردو میں فلسفے کے ان اہم ترین مصنفین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے تراجم اور تحریروں کے ذریعے فلسفے کے جدید مکاتب فکر اور معاصر رجحانات کو اردو میں متعارف کرایا۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ قدیم فلسفے پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفے کے جدید انداز، اسلوب اور نظریات سے بھی آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنے کام کے ذریعے فلسفے کی تاریخ اور اس کے بنیادی تصورات اور نظریات کو بیان کیا ہے

قاضی جاوید کی "جدید مغربی فلسفہ" کا ساتواں مضمون "وٹکنسٹائن: دوسرا دور"، وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے ترجمے اور توضیح پر مشتمل ہے۔ پہلے پانچ پیرا گراف کتاب کے تعارف اور پس منظر پر مشتمل ہیں اس کے بعد صفحہ نمبر ۱۱۶ سے ۲۴۲ تک کا متن ترجمے اور توضیح پر مشتمل ہے۔ زیادہ تر مقامات پر مترجم نے ترجمے میں ایک راوی کی زبان میں ماخذ متن کے خیالات کو بیان کیا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے۔ مترجم نے مصنف کے معنی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے تاہم جملے کی لفظیات اور ساخت کو ہر جگہ مد نظر نہیں رکھا۔ مترجم نے جگہ جگہ توضیح سے کام لیا ہے اور ان توضیحات کو حواشی و تعلیقات کا حصہ بنانے کے بجائے ترجمے کے اصل متن میں شامل کرنا ہی بہتر سمجھا ہے۔ قاضی جاوید کے اس اردو ترجمے میں ان کا انفرادی اسلوب اور اس پیچیدہ موضوع کا واضح اور وسیع فہم ہر جگہ پر نمایاں ہے۔ یہ قاضی

جاوید کا کمال ہے کہ انہوں نے اتنے پیچیدہ موضوع کو اتنی سہولت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔ انہوں نے فنی اور اصطلاحاتی معیار بھی بلند رکھا ہے۔ ان کا یہ ترجمہ ایک ابتدائی اور مختصر مگر بہت عمدہ علمی کاوش ہے جو نہ صرف اردو کے قارئین کو "Investigations Philosophical" جیسی پیچیدہ مگر انتہائی اہم کتاب کے مباحث کی مبادیات سے آشنا کرتا ہے بلکہ اردو میں لسانیاتی تحلیل کے مترجمین اور شارحین کے لیے بھی ایک ابتدائی اور بنیادی خاکہ فراہم کرتا ہے

قاضی قیصر الاسلام نے "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں ، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کو دو مختلف ابواب میں ، "دور ثانی (فلسفیانہ تحقیقات)" کے ذیلی عنوانات کے تحت اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ تحریر بمشکل چار صفحات پر مشتمل ہے جس میں مترجم نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے "Philosophical Investigations" کے بنیادی اور اہم ترین لسانی مباحث ہی کا اردو ترجمہ و توضیح کی ہے۔ مترجم نے ترجمے کے کچھ حصے میں ایک راوی کے طور پر مصنف کے خیالات کو بیان کیا ہے اور کچھ حصے میں مصنف کے ذاتی واحد یا جمع متکلم صیغے کو برقرار رکھا ہے۔ ایک پیراگراف کے علاوہ باقی سارا ترجمہ سطر بہ سطر نہیں ہے۔ مترجم نے ماخذ متن میں موجود خیالات کی ترتیب کو بھی قائم نہیں رکھا۔ مترجم نے اپنے خیال کے مطابق مصنف کے صرف بنیادی اور اہم ترین تصورات پر مشتمل جملوں کو ترجمہ کیا ہے اور ماخذ متن کے غیر اہم اور وضاحتی مباحث کو چھوڑ دیا ہے۔ مترجم نے مسلسل توضیحات کا بھی استعمال کیا ہے مگر ترجمے اور توضیحات کو اس طرح ملا دیا ہے کہ دونوں کو الگ شناخت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کئی مقامات پر سلیش ڈال کر کسی انگریزی لفظ کے دو ممکنہ تراجم درج کیے گئے ہیں۔ قاضی قیصر الاسلام نے زیادہ تر الفاظ کے انگریزی ماخذ اور مترادفات کا اندراج فٹ نوٹ میں کر دیا ہے جس سے تفہیم کا عمل آسان ہو گیا ہے۔ ان کا انداز بیان سادہ، رواں اور مؤثر ہے۔ اصطلاح سازی کا معیار بھی مجموعی طور پر بہت بلند ہے۔ لسانیاتی تحلیل جیسے پیچیدہ موضوع کے اردو ترجمے اور توضیح کی یہ ابتدائی کاوش اختصار کے باوجود لائق تحسین اور آنے والے مترجمین و شارحین کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے۔ دونوں منتخب تراجم میں ترجمے کے جامد روایتی تصور سے جو انحراف نظر آتا ہے اس کو ردِ تشکیلیت کے تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

قاضی جاوید نے اپنی کتاب "جدید مغربی فلسفہ" اور قاضی قیصر الاسلام نے اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)" میں وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے ایسے منتخب لسانی مباحث کو اردو میں منتقل کیا ہے جو ان کے نزدیک اہم ترین اور بنیادی تھے اور با آسانی ترجمہ ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں موجود منتخب تراجم میں "Philosophical Investigations" کے کچھ لسانی مباحث کلی طور پر زیر بحث نہ آ سکے اور کچھ لسانی مباحث کی اہم جزئیات زیر بحث نہ آ سکیں۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث، دونوں منتخب تراجم میں جزوی طور پر منتقل ہوئے ہیں اس لیے ان تراجم کو پڑھنے کے بعد جب ان کے ماخذ متن کو پڑھا جاتا ہے تو یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کے لسانی مباحث کے یہاں زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں اور جزئیات کو بھی اردو میں منتقل ہونا چاہیے تاکہ اردو کے قارئین کے ذہن میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کی مکمل تصویر بن سکے۔ مقالے کے چوتھے باب میں انہیں زیر بحث نہ آنے والے مباحث یا ان کی جزئیات کو تلاش کر کے بیان کیا گیا ہے تاکہ اردو میں "Philosophical Investigations" کی لسانی مباحث کے فہم کے دائرے کو وسیع کیا جاسکے۔

یہ تحقیق علمی اور فلسفیانہ نثر کے حوالے سے ترجمہ 'اور' طبع زاد' کے فرق کو واضح کرتی ہے۔

ب۔ تحقیقی نتائج

اس مقالے کے مقاصد تحقیق میں پہلا تحقیقی مقصد، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کرنا ہے۔ اس کے تحت دو تحقیقی سوال مرتب کیے گئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے؟

۲۔ "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کا

معیار، مسائل اور مشکلات کیا ہیں؟

ان دونوں سوالوں کی روشنی میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعے کے نتیجے میں جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

دونوں منتخب تراجم میں مترجمین نے ماخذ متن کے افکار کو ہدفی متن میں ترجمہ کرتے ہوئے زیادہ تر مقامات پر خود ایک راوی کا طرزِ تحریر اختیار کیا ہے جس سے وہ اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ ترجمے کے بجائے کسی طبع زاد تحریر کو پڑھ رہے ہوں۔ چند ایک مقامات پر مترجمین نے مصنف کے خیالات کو ایک راوی کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اسی کی زبان میں بات کرتے ہوئے اس کے صیغے کو برقرار رکھا ہے اور یہ تاثر دیا ہے جیسے صرف ان مقامات پر ہی وہ تحریر میں مصنف کے اقتباسات کا ترجمہ شامل کر رہے ہوں۔

ترجمہ کرتے ہوئے قاضی جاوید نے مصنف کے بیان کردہ مفہوم کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے تاہم جملے کی لفظیات اور ساخت کو ہر جگہ مدِ نظر نہیں رکھا اور اپنی سہولت کے مطابق مصنف کے خیالات کی ترتیب کو بھی تبدیل کیا ہے۔

قاضی جاوید نے جن مقامات پر مصنف کے خیالات کو اسی کے الفاظ میں پیش کیا ہے وہاں انہوں نے ماخذ متن کا سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے اور اس کے مفہوم کو منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے مقامات پر تو ضیحی عناصر بہت کم ہیں۔

قاضی قیصر الاسلام نے جہاں مصنف کے ذاتی، واحد یا جمع متکلم صیغے کو برقرار رکھا ہے وہاں پر زیادہ تر جملے سطر بہ سطر، ماخذ متن کا ترجمہ ہیں جن میں ماخذ متن کے اسلوب اور لہجے کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور توضیحات کے طور پر اس میں کچھ اضافے بھی کیے گئے ہیں۔

قاضی قیصر الاسلام نے صرف ایک پیرا گراف کا سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترجمے میں، ماخذ متن میں موجود خیالات کی ترتیب کو قائم نہیں رکھا اور اپنی مرضی سے مصنف کے صرف بنیادی اور اہم ترین تصورات پر مشتمل جملوں کو ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے ماخذ متن کے غیر اہم اور وضاحتی مباحث کا ترجمہ نہیں کیا۔ انہوں نے مسلسل توضیحات کا بھی استعمال کیا ہے مگر ترجمے اور توضیحات کو اس طرح ملا دیا ہے کہ دونوں کو الگ شناخت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دونوں منتخب تراجم میں مترجمین کی علییت، موضوع کا واضح اور وسیع فہم، زبان پر گرفت اور تخلیقی و اختراعی مزاج کے اثر نے ان تراجم کو منفرد بنا دیا ہے۔

دونوں مترجمین نے مجموعی طور پر توضیحات کا مؤثر، عمدہ اور بر محل استعمال کیا ہے۔ قاضی جاوید نے توضیحات کو حواشی و تعلیقات کا حصہ بنانے کے بجائے ترجمے کے اصل متن میں شامل کرنا ہی بہتر سمجھا ہے اور ان توضیحات کو اس طرح ترجمے کے ساتھ ملایا ہے کہ توضیح اور ترجمہ الگ دکھائی نہ دے۔

Philosophical Investigations " کے لسانی مباحث آفاقی نوعیت کے ہیں یعنی کسی مخصوص زبان یا ثقافت تک محدود نہیں ہیں بلکہ مجموعی انسانی زبانوں اور ثقافتوں کا احاطہ کرتے ہیں، اس لیے مترجمین کو ترجمے میں domestication کی ضرورت بہت کم پیش آئی۔ قاضی جاوید نے صرف ایک مقام پر ایک توضیحی مثال کے لیے domestication کی حکمت عملی کا انتخاب کیا ہے۔

دونوں منتخب تراجم کو اگرچہ 'ترجمہ' کے طور پر پیش نہیں کیا گیا تاہم یہ 'طبع زاد' تحریریں بھی نہیں بلکہ تراجم ہی ہیں۔ اس بات کا تعین دو وجوہات کی بنیاد پر ہوتا ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ ان تحریروں کے تمام مباحث انگریزی سے اردو میں منتقل کیے گئے ہیں یعنی اس حوالے سے یہ بین اللسانی ترجمہ ہے؛ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں تحریریں وٹکنسٹائن کی "Philosophical Investigations" کے مباحث کو مترجم کی اپنی ترتیب اور انتخاب کے مطابق بیان کرنے اور ان کی توضیح کرنے تک محدود ہیں یعنی اس حوالے سے یہ بین المعنیاتی ترجمہ ہے۔ مترجمین نے مصنف کے خیالات میں اضافہ نہیں کیا نہ ہی ان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ خود کو مصنف کے خیالات کے انتقال اور توضیح تک محدود رکھا ہے۔

جہاں تک علمی نثر کا معاملہ ہے، کسی تحریر کے مفہوم کو کسی دوسری زبان میں بیان کر دینا 'ترجمہ' ہی کہلائے گا۔ کوئی تحریر اسی صورت میں 'طبع زاد' قرار دی جاسکتی ہے جب فکری و معنوی سطح پر اس کے لکھنے والے نے اس میں خود بھی کوئی اضافہ کیا ہو۔ توضیح، ترجمے کی معاونت کرتے ہوئے ماخذ متن کی وضاحت تک محدود ہوتی ہے اس لیے محض توضیح کے شامل ہو جانے سے کوئی ترجمہ طبع زاد نہیں کہلا سکتا۔

دونوں مترجمین کا مطمح نظر مکمل ماخذ متن کا ترجمہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ ماخذ متن کے مباحث کو اختصار، جامعیت اور تاثیر کے ساتھ قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی مترجمین نے ترجمے کے موزوں طریقوں اور حکمت عملیوں کا انتخاب کیا ہے۔

دونوں مترجمین نے ترجمے میں اختصار اور جامعیت کے پیش نظر کئی تفصیلات شامل نہیں کیں۔ ماخذ متن کے کئی مباحث کا پس منظر، سیاق و سباق، جزئیات یا مثالوں کے نہ ہونے سے ماخذ متن کی مکمل، درست اور مؤثر تفہیم متاثر ہوئی ہے۔

دونوں مترجمین کے یہاں مجموعی طور پر اصطلاح سازی کا معیار بہت بلند ہے اور اصطلاح سازی میں ان کی تخلیقی جہت آشکار ہو رہی ہے۔

قاضی جاوید نے اصطلاحات وضع کرتے ہوئے کہیں بھی اردو اصطلاح کے سامنے تو سین میں انگریزی اصطلاح کو نہیں لکھا نہ ہی حواشی میں کسی اردو اصطلاح کی ماخذ انگریزی اصطلاح کا ذکر کیا ہے جس سے فوری طور پر اس اصطلاح کے درست مفہوم تک پہنچنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

قاضی جاوید کی وضع کردہ اردو اصطلاحات میں سے اکثر، اردو لغات اور کتب میں یا تو موجود ہی نہیں ہیں یا جزوی صورت میں موجود ہیں یا ان کا مفہوم اور پس منظر وہ نہیں ہے جو "Philosophical Investigations" اور قاضی جاوید کے ترجمے میں مراد لیا گیا ہے۔

قاضی جاوید نے کتاب کے مباحث کو اردو میں بیان کرنے سے پہلے مصنف کی شخصیت اور اس کے افکار کے بارے میں جو تمہید باندھی ہے وہ کتاب کے لسانی مباحث کے ترجمے و توضیح کو ضروری پس منظر فراہم کر کے کسی الجھاؤ اور غلط یا نامکمل تفہیم کے امکان کو کم کرتی ہے۔

قاضی جاوید کے اس ترجمہ و توضیح کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فکری اور فلسفیانہ موضوعات کے ترجمے اور توضیح کے لیے اردو کا دامن ہرگز تنگ نہیں ہے بشرطیکہ مترجم خود باکمال ہو۔

قاضی جاوید نے ترجمے میں فٹ نوٹ کا استعمال بالکل نہیں کیا نہ ہی آخر پر حواشی و تعلیقات شامل کیے ہیں۔ ان کی تمام تر توضیحات متن ہی کا حصہ ہیں۔

قاضی قیصر الاسلام نے اپنے ترجمے میں زیادہ تر الفاظ کے انگریزی مآخذ اور مترادفات کا اندراج فٹ نوٹ میں کر دیا ہے جس سے تفہیم کا عمل آسان ہو گیا ہے۔ ان کا انداز بیان سادہ، رواں اور مؤثر ہے۔

دونوں منتخب تراجم کو اگر یو جین نیڈا کے ترجمے میں مساوات کے تصور کے تناظر میں دیکھا جائے تو دونوں ترجموں میں متحرک (dynamic) کے بجائے رسمی (formal) مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی وصول کنندہ پر پیغام کا یکساں اثر قائم رکھنے کے بجائے مواد اور ہیئت دونوں میں پیغام کی ترسیل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ایسی سنجیدہ علمی نثر کا تقاضا بھی یہی ہے۔

قاضی قیصر الاسلام کے لیے مشکل یہ تھی کہ تحریر کا اختصار بھی برقرار رہے اور اس پیچیدہ موضوع کی بنیادی باتوں کو قابلِ فہم علمی انداز میں بھی پیش کیا جائے۔ انہوں نے اس ترجمے کے ذریعے بہت کم الفاظ میں ایک پیچیدہ موضوع کے مرکزی نقطے کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

قاضی قیصر الاسلام کا ترجمہ اگرچہ اس پیچیدہ موضوع کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتا تاہم نئے قاری کے لیے یہ اس قدر دلچسپ ضرور ہے کہ اسے اس موضوع کے بارے میں مزید غور و فکر اور مطالعے کی طرف راغب کرے۔ لسانیاتی تحلیل جیسے پیچیدہ موضوع کے اردو ترجمے اور توضیح کی یہ ابتدائی کاوش اختصار کے باوجود لائق تحسین اور اس موضوع کے نئے مترجمین و شارحین کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے۔

قاضی جاوید کا ترجمہ بھی اگرچہ اس پیچیدہ موضوع کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتا تاہم قاضی قیصر الاسلام کے ترجمے کے مقابلے میں اس میں کافی زیادہ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اپنی تمام ترکیبوں کے باوجود یہ ترجمہ "Investigations Philosophical" کے اب تک کے اردو تراجم میں سب سے زیادہ معیاری اور عمدہ ہے۔ یہ قاضی جاوید کا کمال ہے کہ انہوں نے اتنے پیچیدہ موضوع کو اتنی سہولت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔ ان کا یہ ترجمہ نہ صرف اردو کے قارئین کو اس کتاب کے مباحث کی مبادیات سے آشنا کرتا

ہے بلکہ اردو میں لسانیاتی تحلیل کے نئے مترجمین اور شارحین کے لیے بھی ایک ابتدائی اور بنیادی خاکہ فراہم کرتا ہے۔

دونوں منتخب تراجم میں ترجمے کی کئی حکمتِ عملیوں کا بیک وقت استعمال، ماخذِ متن میں خیالات کی ترتیب سے انحراف، مترجمین کی اپنی اختراعی طبیعت اور جمالیاتی ذوق کا اظہار، ترجمے کے جامد روایتی تصور سے انحراف؛ یہ سب وہ معاملات ہیں جنہیں ردِ تشکیلیت کے تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس ترجمے کو ایک ڈی کنسٹرکشن کے طور پر دیکھنے کا یہ فائدہ ہو گا کہ ہم اردو میں ترجمے کو ایک برتر اصل کی کم تر نقل کے طور پر دیکھنے اور مترجم کو ایک تخلیق کار سے کم تر درجہ دینے کے جامد اور محدود تصورات سے باہر نکل سکیں گے۔

وٹکنسٹائن کے بقول زبان متنوع لسانی کھیلوں پر مشتمل ہے۔ لسانی کھیل زندگی کی صورتیں ہیں جن کے اصول اور حدود غیر معین اور اضافی ہیں۔ وہ ترجمے کو بھی ایک لسانی کھیل قرار دیتا ہے جس کے کوئی حتمی اور متعین اصول اور حدود نہیں ہیں۔ کوئی ایک لسانی کھیل کسی دوسرے لسانی کھیل سے کم تر یا برتر نہیں ہے۔ دونوں منتخب تراجم کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو انہیں ان کے سیاق و سباق اور اطلاق کے حوالے سے دیکھتے ہوئے ان کی بہتر تفہیم حاصل کی جاسکتی ہے جو ایک ایسے لسانی تفاعل پر مشتمل ہو گی جہاں فلسفہ نہ تو کوئی گہری توجیہ پیش کرتا ہے نہ ہی کوئی نتائج اخذ کرتا ہے بلکہ تعلقاتی کنفیوژن کو دور کر کے چیزیں جیسی ہیں ان کو ویسے ہی ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔

اس مقالے کے مقاصدِ تحقیق میں دوسرا تحقیقی مقصد، تحقیقی مطالعے کے ذریعے "Investigations Philosophical" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کے زیرِ بحث نہ آنے والے پہلوؤں کی شناخت کرنا ہے۔ اس مقصد کے تحت مرتب کیا گیا تیسرا تحقیقی سوال یہ تھا:

۳۔ "Philosophical Investigations" کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں اس کتاب کے لسانی مباحث کے زیرِ بحث نہ آنے والے پہلو کون سے ہیں؟

اس سوال کی روشنی میں تحقیقی مطالعے کے ذریعے، "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے منتخب اردو تراجم و توضیحات میں "Philosophical Investigations" کے لسانی مباحث کے زیر بحث نہ آنے والے جن پہلوؤں اور جزئیات کی شناخت کی گئی ہے ان کی تفصیل باب چہارم میں موجود ہے۔ یہاں پر ان کی نشاندہی سیکشن کی ترتیب کے لحاظ سے درج ذیل عنوانات کی صورت میں کی جا رہی ہے:

- سینٹ آگسٹین کی زبان کے جوہر کی تصویر
- زبان کی سادہ شکلیں: استعمال کی ایک صورت
- درشتی تعلیم، اور تعریف یاد رشتی وضاحت، کے درمیان فرق
- تحریر و تقریر میں الفاظ کی ظاہری شکل
- مختلف قسم کے الفاظ کی درجہ بندی
- کسی شے کی شکل کی طرف اشارہ کرنے کا مظہر
- لفظ "معنی" کا ایک ناقص استعمال
- زبان میں "نام دینا" اور "وضاحت کرنا یا بیان کرنا"
- "وجود" اور "عدم وجود": ایک بحث
- "اصول" کے اطلاق کی مختلف صورتوں کی وضاحت
- "معنی" بطور ایک پیراڈائم
- منطق کی وضاحت: سوچ اور زبان کے حوالے سے
- ایک اصول کس طرح رہنمائی کرتا ہے
- تفہیم کے عمل میں وضاحت کا کردار
- قطعیت کا تصور
- منطق کے بارے میں ایک مغالطے کی وضاحت
- مظاہر کی ماہیت کی تحقیق اور زبان

- گریمر کے التباس
- زبان کی شکلوں کی غلط تشریح سے پیدا ہونے والے مسائل
- تشبیہ: ایک نقلی حلیہ
- فلسفے کے نتائج
- لفظ و معنی کا تعلق
- تفہیم کے عمل میں ناکامی کا ایک ماخذ
- فلسفے کا تفاعل
- "قضیہ" کی عمومی تعریف
- ملتے جلتے الفاظ میں سے موزوں لفظ کا انتخاب
- لفظ کا استعمال: ایک بحث
- فہم کی جانچ
- فلسفہ کرنا: ایک غلط تعبیر
- لفظ کے استعمال کی غلط تفہیم
- تعبیر کا ادھورا پن اور ابہام
- اصول، رپورٹ، حکم، کھیل اور زبان
- ایک اصول کی پیروی
- مشترکہ انسانی طرزِ عمل
- وجدان
- لفظ "مطابقت" اور لفظ "اصول": ایک بحث
- نجی زبان کا تصور
- جھوٹ بولنا ایک لسانی کھیل
- درد کا احساس

- حقائق کا بیان
- فلسفیانہ فکر: ایک بحث
- لفظ "درد"، لسانی کھیل اور درد سے وابستہ طرزِ عمل
- ذہنی عمل کا وقوع پذیر ہونا اور فلسفیانہ مسائل
- لفظ "سوچنا" کے مفہوم کی وضاحت
- معقول جواز: ایک بحث
- الفاظ میں سوچنا
- ارادہ: ایک بحث
- بولنا سیکھنا
- سوچنا: ایک بحث
- احکامات کی تعمیل
- ابلاغ: ایک بحث
- لفظ "تخیل" کا استعمال
- جوہر کا اظہار اور گریمر
- اسمیت: ایک بحث
- تصویر اور ذہنی شبیہ
- سوچ اور حقیقت کے مابین ہم آہنگی
- حکم اور تعمیل کے درمیان خلا
- فلسفہ کرنا: ایک بحث
- توقع کی تکمیل
- سلبی قضیہ
- زبان کی تشکیل اور گریمر

- جملے کا بے معنی ہونا
- قضیہ اور ممکنہ صورت حال: ایک بحث
- زبان میں جملے کی تفہیم
- لفظ "معنی" کا استعمال
- زبان ایک آلہ
- نفسیات کا دائرہ کار
- فلسفیانہ بیماریوں کی ایک وجہ
- ایک زبان میں دوسری زبان کا در آنا
- فلسفہ، احساسات اور نتائج
- ارادی حرکت اور آمادگی
- لسانی کھیل کی وضاحت: ایک بحث
- جسم: انسانی روح کی تصویر
- لفظ کا معنی اور جملے کا مفہوم
- حواس اور اعتقاد
- ذہنی حساب
- ثنائی معنی
- ارادہ اور عمل: ایک بحث
- بولنا اور سوچنا
- معنی دینے کا عمل
- اعتراف کی سچائی کا معیار
- خوابوں کی سچائی کا معیار
- ایک شیر کا بولنا

- پر یقین ہونے کا مطلب
- روزمرہ کے لسانی کھیلوں کا تنوع
- احساس کا اظہار
- ریاکاری
- تصورات کی تشکیل، فطرت کے حقائق اور گریمر
- یادداشت کا مواد

یہاں پر دونوں منتخب اردو تراجم میں "Philosophical Investigations" کے جن زیر بحث نہ آنے والے پہلوؤں کو شناخت کیا گیا ہے وہ نہ صرف اس کتاب کی مکمل اور موثر تفہیم کے لیے ضروری ہیں بلکہ مستقبل میں اس کتاب کے مکمل اردو ترجمے کے لیے مشعل راہ بھی بنیں گے۔ یہاں پر شناخت کیے گئے پہلو اس خلا کو پر کرنے کا کام دیں گے جو قاضی جاوید اور قاضی قیصر الاسلام کے ترجموں کے باوجود "Philosophical Investigations" کی لسانی مباحث کی تفہیم کے حوالے سے اب تک اردو میں موجود ہے۔

ج۔ سفارشات

"Philosophical Investigations" کے اردو تراجم کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس کے مکمل متن کا اردو ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لسانی مباحث کے کئی پہلو اردو میں زیر بحث نہیں آ سکے اس لیے یہ ضروری ہے کہ "Philosophical Investigations" کے مکمل متن کا اردو ترجمہ کیا جائے۔

"Philosophical Investigations" کے مکمل متن کا اردو ترجمہ ہی کافی نہ ہو گا بلکہ اس کی اردو شرح بھی لکھی جانی چاہیے جس میں وٹکنسٹائن کا فکری ارتقا اور تحلیلی فلسفے کا تفصیلی بیان بھی شامل ہونا چاہیے۔

"Philosophical Investigations" کے علاوہ وٹکنسٹائن کی جو تحریریں اب تک اردو میں ترجمہ نہیں ہوئیں ان کا اردو ترجمہ ہونا چاہیے اور اس کی پہلی کتاب کا جتنا حصہ اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اس کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ہونا چاہیے۔

Ray Monk کی تصانیف "WITTGENSTEIN" اور "The Duty of Genius" کا اردو ترجمہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ دونوں کتابیں نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ وٹکنسٹائن کی شخصیت اور افکار کو جاننے کے لیے بہت مفید بھی ہیں۔

اردو تراجم میں توضیح کی صورتوں اور کردار کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ ہونا چاہیے۔

اردو میں جدید مغربی افکار خاص طور پر جدید لسانی مباحث اور مابعد جدیدیت پر لکھی گئی کتابوں کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ ان خطوط پر ہونا چاہیے جس سے اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ یہ طبع زاد ہیں یا مغربی کتب کے تراجم ہیں۔

"Philosophical Investigations" کے افکار نے ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدید فکر کی تشکیل و ارتقا میں جو کردار ادا کیا اسے اردو میں تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ کے ذریعے نمایاں کیا جانا چاہیے۔ اردو میں وٹکنسٹائن کے افکار کا موازنہ ٹیک دریدا، ژاں فرانسوا لیوتار، میچل فوکو اور دیگر مابعد جدید مفکرین کے افکار سے ہونا چاہیے۔

"ترجمہ بطور ڈی کنسٹرکشن" کے موضوع پر اردو تراجم کے حوالے سے تحقیقی کام ہونا چاہیے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ

کتب

- قاضی جاوید، جدید مغربی فلسفہ، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء
- قاضی قیصر الاسلام، تاریخ فلسفہ مغرب (حصہ دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۵ء
- Wittgenstein, Ludwig. *Philosophical investigations*. Trans. P. M. S. Hacker and Joachim Schulte G. E. M. Anscombe. 4th. Oxford: Blackwell, 2009.

ثانوی مآخذ

اردو کتب

- سی اے قادر / اکرام رانا (مترجمہ و مؤلفہ)، کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء
- صفدر رشید (مرتب)، فن ترجمہ کاری، پورب اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء
- قمر رئیس، ڈاکٹر (مرتب)، ترجمے کا فن اور روایت، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۶ء
- محمد ابو بکر فاروقی (مرتب)، تراجم کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۶ء

انگریزی کتب

- Bassnett, Susan. *Translation Studies*. 3rd. London and New York: Routledge, 2002. ebook.
- Child, William. *Wittgenstein*. London and New York: Routledge, 2011.
- Kripke, Saul. *Wittgenstein on Rules and Private Language*. Cambridge, Massachusetts: Harvard University Press, 1995.
- Monk, Ray. *Ludwig Wittgenstein: The Duty of Genius*. London: Vintage Digital, 2012. ebook.
- Monk, Ray. *Wittgenstein*. London: Granta Books, 2005.
- Munday, Jerney. *Introducing Translation Studies*. 4th. London and New York: Routledge, 2016.
- Stern, David G. *Wittgenstein's Philosophical investigations*. Cambridge: Cambridge University Press, 2004.
- Wittgenstein, Ludwig. *The Collected Works of Ludwig Wittgenstein*. Ed. G. H. von Wright and G. E. M. Anscombe. Trans. G. E. M. Anscombe. Oxford: Blackwell, 1998.
- Wittgenstein, Ludwig. *Tractatus Logico-Philosophicus*. Trans. D. F. Pears and B. F. McGuinness. London and New York: Routledge, 2002. ebook.

رسائل و جرائد

اردو

- ناصر بغدادی، وٹ کنسٹائن کالسانی نظام، (مضمون) مطبوعہ: سہ ماہی بادبان، کراچی، شمارہ ۵، جولائی ۱۹۹۷ء تا ستمبر ۱۹۹۸ء

انگریزی

- Bac, L. H., and D. T. Thu Hang. "From Language to Postmodern Language Game Theory". *Mediterranean Journal of Social Sciences*, vol. 7, no. 6, Nov. 2016, p. 319-324, 30 April 2021.
<https://www.richtmann.org/journal/index.php/mjss/article/view/960>
- Chesterman, Andrew. "Consilience in Translation Studies." *Revista Canaria de Estudios Ingleses* 51 (2005): 19-32. pdf. 8 June 2020.
[https://riull.ull.es/xmlui/bitstream/handle/915/18840/RCEI_51_\(%202005\)_02.pdf?sequence=1](https://riull.ull.es/xmlui/bitstream/handle/915/18840/RCEI_51_(%202005)_02.pdf?sequence=1)
- Murtisari, Elisabet Titik. "Explicitation in Translation Studies: The journey of an elusive concept." *Translation & Interpreting* 8.2 (2016). PDF. 30 March 2021. <http://www.trans-int.org/index.php/transint/article/view/531/264>
- Owji, Zohre. "Translation Strategies: A Review and Comparison of Theories." *Translation Journal* 17.1 (2013). 29 March 2021.
<http://www.translationjournal.net/journal/63theory.htm>

- Pagliawan, Dominador L.. "Translation as Deconstruction: Infidelity in the Translation Process." International Journal of Comparative Literature and Translation Studies [Online], 5.2 (2017): 19-24. Web. 3 May. 2021.
<https://www.journals.aiac.org.au/index.php/IJCLTS/article/view/3339>
- VÂRLAN, Cecilia-Iuliana. "Difficulties and constraints in translating philosophical texts. Mechanisms of reception and the (in)stability of meaning." Diversité et Identité Culturelle en Europe 11.2 (2014): 69-82. pdf. 15 November 2020.
https://www.diversite.eu/pdf/11_2/DICE_11.2_Full_Text_p69-p82-Cecilia-Iuliana-VARLAN.pdf

مقالہ جات

- فاخرہ نورین، ادبی متن کا انگریزی سے اردو ترجمہ، فن، معیار اور مسائل (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو)، نیشنل یونیورسٹی آف مارڈن لیٹگوئیجز، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء (غیر مطبوعہ)
- Al-Anbaqi, Nada Nizar. The Role of Explicitation Strategy in the Arabic Translated Texts : Evidence from Faulkner's 'A Rose for Emily'. Middle East University for Graduate Studies Amman, MA Thesis.2009. PDF. 30 March 2021. https://meu.edu.jo/libraryTheses/586cbc4960045_1.pdf

لغات

- اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ، کراچی،
<http://udb.gov.pk/index.php>، ۲۰۱۷ء
- فرهنگ تلفظ از شان الحق حق، (آن لائن)، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد
http://nlpd.gov.pk/ft_lughat/index.php
- قومی انگریزی اردو لغت (آن لائن)، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء،
<http://nlpd.gov.pk/lughat/index.php>
- قومی انگریزی اردو لغت، جمیل جالبی، ڈاکٹر (مؤلفہ)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع پنجم، ۲۰۰۲ء
- Cambridge Dictionary | English Dictionary, Translations & Thesaurus
- <https://www.merriam-webster.com/merriam-webster>

ویب گاہیں

- <https://www.academia.edu/>
- <https://libgen.is/>
- <https://www.researchgate.net/>
- <https://www.rekhta.org/>
- <https://www.google.com/>
- <https://web.facebook.com/>
- <https://www.youtube.com/>
- <https://web.whatsapp.com/>